Scanned by CamScanner

آداب
المتعلمین

تالیف

حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ

ناشر

مکتبہ حکیم الامت سہارنپور

MAKTABA HAKEEMUL UMMAT

CONTACT NUMBER : +919759870037

نام کتاب : **آداب المتعلمین**

مؤلف : حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ

طباعت : ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ مطابق ستمبر ۲۰۱۲ء

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم.

ہمارا نظام تعلیم اگرچہ بے شمار خوبیوں کا حامل ہے مگر غالباً اس میں اب دو رائیں نہیں کہ موجودہ زمانہ میں اس سے نہ صرف وہ مفید نتائج برآمد نہیں ہورہے ہیں جن کی اس سے توقع تھی، بلکہ بعض اوقات ہمارے دینی مدارس اور مذہبی مراکز میں ایسے واقعات اور ایسے حالات رونما ہوتے ہیں جن سے اہل علم اور ذی شعور حضرات کا سر شرم سے جھک جاتا ہے، آئے دن ہنگامے اور اسٹرائک جیسی ملعون اور مذبوحی تحریکیں سر اٹھاتی رہتی ہیں، طلبہ واساتذہ میں جو خاص تعلق اور نسبت ہونی چاہیے وہ اب مفقود ہوتی جارہی ہے، اساتذہ کی حیثیت طلباء کی نظر میں محض ایک ملازم کی سی ہوگئی ہے، ہمارے عزیز طلباء کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں، اخلاق اور کردار، استعداد اور علمی لیاقت صفر کے درجہ میں آگئی ہے، اخلاص، للہیت، دینی درد اور مذہبی حمیت جیسی صفات سے دوری بڑھتی جارہی ہے، یہی وجہ ہے کہ فراغت کے بعد ہمارے یہ نونہال جب زندگی کے میدان میں قدم رکھتے ہیں تو وہ خود بھی اپنے آپ کو ناکام محسوس کرتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ ناکام ثابت ہوتے ہیں۔

جن لوگوں کی نظر میں تعلیم ایک "تجارت" ہے ان سے نہ تو کوئی شکایت ہوسکتی ہے اور نہ ان کی کسی مذبوحی اقدام پر حیرت اور تاسف کی گنجائش ہے، مگر جن کے نزدیک تعلیم ایک عبادت ہے، تعلیم ایک لازوال سعادت ہے، تعلیم عرفانِ حق اور خدارسی کا ایک زینہ ہے،

تعلیم دنیا وآخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا وسیلہ ہے، اگر ان سے اس قسم کی حرکات شنیعہ سرزد ہوں تو اگر ندامت اور حسرت نہ ہو تو یقیناً یہ انتہائی بے حسی کی دلیل ہے۔ اگر دینی اور ملی شعور ابھی بالکل پژمردہ نہیں ہوا ہے تو یہ غیر ممکن ہے کہ ان حالات سے مضطرب نہ ہو جائے اور اصلاح کی ممکن صورت بہم پہنچانے کی فکر دامن گیر نہ ہو جائے۔

ہمارے موجودہ نظام تعلیم سے متوقع نتائج برآمد نہ ہونے کی آخر کیا وجہ ہے؟ یہ ایک سوال ہے جو نہ صرف اہل علم حضرات بلکہ ملت کے ہر دردمند کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ کوئی کام کتنا ہی عظیم اور مفید کیوں نہ ہو اگر اس کے صحیح اسباب سے صرف نظر کر لی جائے اور اس کی راہ میں جو موانع ہیں ان سے دامن نہ بچایا جائے تو وہ مفید نتائج اور ثمرات برآمد ہو ہی نہیں سکتے، جن کی اس سے توقع کی جا سکتی ہے، صحیح اسباب کا حصول اور ارتفاع موانع متوقع نتائج کے حاصل کرنے کے لیے روح کا درجہ رکھتے ہیں۔

آج ہمارا نظام تعلیم اس روح سے خالی ہو چکا ہے نہ تعلیم میں روح باقی ہے نہ تعلّم میں ورنہ ابھی قریبی دور میں، جن علوم کو پڑھ کر امت میں قاسمؒ و رشیدؒ، محمودؒ اور یحییٰؒ و خلیلؒ مدنیؒ و تھانویؒ، عثمانیؒ اور کفایت اللہؒ وغیرہ، سینکڑوں ایسے پیدا ہوئے ہوں جنھوں نے ایک عالم کو سیراب کیا ہو، جو آسمان علم وہدایت کے آفتاب وماہتاب بن کر چمکے ہوں، جن کے علوم نے اس آخری دور میں سمرقند و بخارا اور بغداد کی یاد تازہ کر دی ہو تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اب انہیں علوم کو پڑھ کر ویسی شخصیتیں پیدا نہ ہوں۔

زیر نظر کتاب ''آداب المعلمین'' اسی اصلاحی کوشش کی ایک اہم کڑی ہے، جس میں آداب متعلمین کے لیے نہایت مؤثر سادہ اور دل نشین انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت مولانا الشاہ السید صدیق احمد صاحب دامت برکاتہم وفیوضہم کی ذات گرامی اپنی علمی قابلیت، بالغ نظری اور خلوص وللہیت کے اعتبار سے محتاج تعارف نہیں ہے، آپ کی پوری زندگی درس وتدریس اور اصلاح وتبلیغ کے لیے گویا وقف ہے،

حضرت والا نے طویل ذاتی تجربات کے بعد زیر نظر کتاب مرتب فرمائی، کتاب طلبہ کے لیے بہر صورت مفید اور حرز جان بنا لینے کے قابل ہے، میں اپنے علم وفہم کے قصور کا معترف ہوں تاہم اتنی بات تو بلا خوف تردید عرض کرسکتا ہوں کہ پوری کتاب پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مصنف ادام اللہ فیوضہم نے اپنی خداداد ذہانت اور بالغ نظری سے ان سارے آداب کو کتاب وسنت سے اخذ فرما کر پیش فرمائے ہیں، جس پر حضرات صحابہؓ وتابعینؒ اور اکابر امت نے عمل کر کے ان کے برکات وثمرات حاصل کیے ہیں، نیز حضرت مصنف نے اصلاح کی صحیح سمت کا تعین فرما کر اہل علم اور اہل تحقیق کو دعوت غور وفکر دی ہے۔

امید ہے کہ ہمارے طلبائے عزیز اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لے کر پورے طور پر مستفید ہوں گے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ حضرت مصنف دامت برکاتہم کی عمر مبارک کو دراز فرمائیں اور ان کے علمی وروحانی فیوض وبرکات سے امت کو بیش از بیش مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

بندہ عبد القیوم مظاہری
جامعہ اسلامیہ تلی بازار کانپور
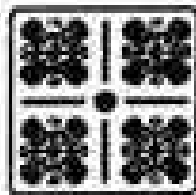
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ الطاہرین. اما بعد:

آج کل دینی مدارس کے طلباء میں یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ کا جو رنگ چڑھتا جا رہا ہے اور اس سے مدارس دینیہ میں جو خرابی پیدا ہو رہی ہے جس سے آئے دن اساتذہ اور اراکین کو دو چار ہونا پڑتا ہے۔ ان حالات کو دیکھ کر ایک داعیہ پیدا ہوا کہ اگر کوئی رسالہ اس قسم کا لکھ دیا جائے جس میں طالبان علوم دین کو اکابر کے حالات کے ذریعہ ان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلایا جائے جس سے وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور قوم کا سرمایہ جو ان پر خرچ ہو رہا ہے نہ صرف یہ کہ اس کا بہترین مصرف ثابت ہوں بلکہ آگے چل کر احیاء سنت اور اصلاح امت کے فرائض انجام دے سکیں۔

اس سلسلہ میں پہلے تو اہل قلم حضرات سے اس کی درخواست کی مگر ان کے مشاغل ان کو اس کام کی اجازت نہ دے سکے۔ ایک عرصہ تک انتظار کے بعد بھی کوئی توقع نہیں ہوئی کہ یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوگا اور کوئی مرد میدان اس پر قلم اٹھائے گا، اس لیے تو کلا علی اللہ احقر نے باوجود اپنی بے مائیگی کے خود اس کام کو شروع کیا اور اپنے مدرسے کے طلباء کو سنایا۔

بحمد اللہ تعالیٰ اس کا اچھا اثر ہوا، بعض دوسرے مدارس کے طلباء نے اس کو نقل کیا، اکابر نے بھی پسند کیا، اس کے بعد احباب کا تقاضا ہوا کہ اس کو طبع کرایا جائے، مگر اس کی کوئی صورت نہ ہو سکی تھی، اس لیے مختلف کتب خانوں کے ذمہ دار حضرات سے اس امر میں گفتگو کی اور عرض کیا کہ اس کا کوئی معاوضہ مطلوب نہیں، اشاعت مقصود ہے آپ اس کو طبع کرائیں اور فروخت کریں، مگر مصنف کی گمنامی اس پیش کش کو قبول کرنے سے مانع رہی۔

آخر میں مکتبہ رحمانیہ کے مالک مولانا بابُ الدین صاحب نے اس کے لیے ہمت کی، اللہ پاک ان کو جزائے خیر دے اور رسالہ کو قبول فرما کر نافع بنائے۔ والسلام

احقر صدیق احمد ابن سید احمد غفر لہما اللہ الصمد

خادم الطلبہ جامعہ عربیہ ہتھورا، ضلع باندہ (یو، پی)

متعلمین کے آداب

ادب اول

اخلاصِ نیت

طالب کو چاہیے کہ علم حاصل کرنے میں کوئی فاسد نیت اور دنیوی غرض نہ ہو، اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اور اپنی آخرت درست کرنے کے لیے علم دین حاصل کرے۔

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر عمل کا بدلہ نیت پر موقوف ہے اور ہر شخص کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہو، اگر اچھی نیت سے خالص اللہ کے لیے اس نے وہ کام کیا ہے تو ثواب ہے اور اگر کوئی فاسد غرض شامل ہے تو اس کے واسطے اللہ پاک کے یہاں کچھ اجر نہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ بہت سے اعمال بظاہر شکل وصورت میں دنیاوی امور سے مشابہ ہوتے ہیں، لیکن حسن نیت کی وجہ سے وہ اعمال آخرت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور بہت سے اعمال اپنی ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے اعمال آخرت کے مشابہ ہوتے ہیں، لیکن نیت کی خرابی کی وجہ سے دنیاوی اعمال میں شمار ہوتے ہیں۔

ایک حدیث قدسی میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے عمل میں میرے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے تو میں اس کو اور اس کے عمل کو چھوڑ دیتا ہوں، میں صرف اس عمل کو قبول کرتا ہوں جو خالص میرے لیے ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ جہنم میں ایک وادی ہے،

جس سے جہنم خود بھی چار سو مرتبہ روزانہ پناہ مانگتی ہے وہ ریا کاریوں کے لیے ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف چھوٹے شرک کا ہے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا چھوٹا شرک کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا، ریا ہے۔

ایک حدیث میں یہ بھی اضافہ ہے کہ جس دن حق تعالیٰ شانہ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا تو ان ریاکاروں سے یہ ارشاد ہوگا کہ جن کو دکھانے کے لیے اعمال کئے تھے، دیکھو! ان کے پاس تمہارے اعمال کا کچھ بدلہ ہے یا نہیں (مشکوٰۃ)

ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: علم اس لیے نہ حاصل کرو کہ عالم ہونے پر فخر کرو، جہلاء سے بحث کرو اور مجلس میں اونچی جگہ بیٹھو، جو کوئی ایسا کرتا ہے اس کے لیے دوزخ ہے دوزخ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے علم اللہ کے علاوہ کے لیے سیکھا، اس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنانا چاہیے (جمع الفوائد)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک پیغمبر کو وحی کی کہ ان لوگوں سے کہہ دو جو علم دین کو عمل کے لیے حاصل نہیں کرتے اور عمل آخرت کے ذریعہ دنیا کماتے ہیں کہ تم وہ ہو جو آدمیوں کے سامنے بھیڑ کی کھال اوڑھ کر جاتے ہو، حالاں کہ تمہارے سینوں میں بھیڑیوں کے دل چھپے ہوئے ہیں، تمہاری زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہیں، مگر دل زہر کی طرح کڑوے ہیں، تم مجھے دھوکہ دیتے ہو اور مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہو، اچھا میں تمہیں ایسے فتنے میں ڈالوں گا جس میں بڑے بڑے دانا اور سمجھدار بیکار رہ جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر اہل علم اپنے عمل کی عزت کرتے اور اسے اس کی جگہ رکھتے تو اپنے زمانہ کے سردار بن جاتے، مگر انھوں نے علم کی قدر نہ جانی، خود کو دنیا والوں کے قدموں میں ڈال دیا، تاکہ ان کی دنیا میں سے کچھ حاصل کرلیں، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ذلیل وخوار ہوگئے۔

میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے تمام فکروں کو ایک فکر بنادیا یعنی آخرت کی فکر، خدا اس کی کفایت کرے گا، اور جس نے دنیا کی بہت ساری فکریں اپنے سر لے لیں، خدا بھی اسے چھوڑ دے گا کہ جس وادی میں چاہے ہلاک ہو جائے۔

انہیں کا ارشاد ہے کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ اس فتنہ میں تمہارے کیا حال ہوگا جس کی دہشت بچوں کو بوڑھا کر دے گی، اور بوڑھے اپنے حواس کھو بیٹھیں گے، نئے نئے طریقے نکلیں گے اور لوگ آنکھیں بند کر کے ان پر چل پڑیں گے اور ان کو اسلام کی چیز سمجھیں گے، ان میں سے کسی ایک بدعت کو اگر ختم کیا جائے گا تو شور برپا ہو جائے گا کہ دیکھو اسلام کی یہ سنت بدل ڈالی گئی، حالاں کہ وہ اسلامی چیز نہ ہوگی۔

حاضرین نے سوال کیا: حضرت یہ کب ہوگا؟ فرمایا: جب تم میں پڑھنے والے بہت ہو جائیں گے، مگر سمجھنے والے کم رہ جائیں گے، جب تمہارے سردار بہت ہو جائیں گے اور امانت دار کم رہ جائیں گے، جب آخرت کے عمل کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا جائے گا اور جب علم کو بجائے آخرت کے کسی دنیوی غرض کے لیے حاصل کیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقولہ ہے کہ اگر اہل علم اپنے علم کی عزت کرتے اور اپنا عمل اس کے مطابق رکھتے تو خدا اور خدا کے فرشتے اور صالحین ان سے محبت کرتے اور تمام مخلوق پر ان کا رعب ہوتا، لیکن انھوں نے اپنے علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا، اس لیے خدا بھی ان سے ناراض ہو گیا اور وہ مخلوق میں بے وقعت ہو گئے۔

ابو عبد اللہ سنجریؒ فرمایا کرتے تھے: جس کا علم ریا وغیرہ سے پاک نہیں، اس کا عمل پاکیزہ نہیں ہو سکتا، اور جس کا عمل پاکیزہ نہیں اس کا بدن پاک نہیں، اور جس کا بدن پاک نہیں اس کا دل بھی پاکیزہ نہیں ہو سکتا۔

یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں: نبی ﷺ سے عرض کیا گیا کہ مخفی ہوس کیا ہے؟ فرمایا: آدمی علم حاصل کرے اور دل میں خواہش ہو کہ لوگ اس کی درباری کریں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: برے عالم کی سزا دل کی موت ہے، پوچھا گیا: دل کی موت کیا ہے؟ فرمایا: عملِ آخرت سے دنیا طلب کرنا، انہیں کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ علم دین کی حفاظت کے لیے ایسے لوگوں کو بھی مقرر کرتے ہیں جو خدا کے سوا دنیوی اغراض کے لیے اس کو حاصل کرتے ہیں، پھر قیامت کے دن وہ علم ان کے لیے وبالِ جان ہوگا۔ پھر غور سے دیکھو تم کیا حاصل کر رہے ہو، ایسا نہ ہو کہ یہ علم تمہاری جان کے لیے وبال ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم کے لیے پہلے حسن نیت، پھر فہم، پھر عمل، پھر حفظ اور اس کے بعد اس کی اشاعت اور ترویج کی ضرورت ہے۔

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ طلبہ سے فرمایا کرتے تھے کہ علم حاصل کرنے میں نیت خالص رکھو اور نفس کی خواہشات کو کم کرو، کیوں کہ بخدا اگر میں نفس کی ہر ایک خواہش کو پورا کیا کرتا تو مجھے خوف تھا کہ علم کی خدمت چھوڑ کر حکومت کی کوئی ملازمت کرتا، کیوں کہ علمی مشغلہ میں دنیا زیادہ نہیں ملتی ہے تو اگر علائق اور خواہشات کم نہ کیے جائیں گے تو خواہ مخواہ زیادہ مال کی طلب ہوگی تو اندیشہ ہے کہ علم چھوڑ کر دنیا کے دھندوں میں نہ پھنس جائیں، آج اس کا اچھی طرح مشاہدہ ہوا ہے کہ علم حاصل کرنے والے ہزاروں طلبہ میں دس پانچ ہی اس میں لگتے ہیں جو قلیل دنیا پر قناعت کیے ہوئے دین کی خدمت کر رہے ہوں، اکثر تو دوسرے مشاغل میں پھنس کر علم کو ضائع کر دیتے ہیں، کیوں کہ کھانے پہننے اور ساز وسامان کے لیے مدارس کی تنخواہ کفایت نہیں کرتی، اس لیے زیادہ آمدنی کی طلب میں دوسرے دھندے اختیار کرتے ہیں، کوئی طب میں چلا جاتا ہے کوئی انگریزی کے امتحانات دے کر کالج کی پروفیسری اختیار کرتا ہے، کوئی بورڈ کے امتحان میں لگ جاتا ہے، اس کے بعد یونیورسٹی کے کسی شعبہ میں گھسنے کی کوشش کرتا ہے، کوئی دنیا کے کسی اور کاروبار میں لگ جاتا ہے، جس سے علم کا نام ونشان بھی اس کے اندر باقی نہیں رہتا، ورنہ یہ مدارس کے طلبہ جو ہر سال ہزاروں کی تعداد میں مختلف مدارس

سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں، اگر اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے اور خدا کے یہاں محاسبہ کی فکر ہوتی تو سوائے علم دین کی اشاعت اور دینی خدمت کے اپنے لیے کوئی دوسرا مشغلہ تجویز نہ کرتے اور نہ کسی اور چیز میں جی لگنے کا سامان پاتے، اگر ایسا ہوتا تو کیا امت کے اندر بگاڑ آتا، کیا ساٹھ ستر برس کا مسلمان کلمہ طیبہ تک سے جاہل ہو کر مرتا کیا، بی، اے، ایم، اے پاس کرنے والے لڑکے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہتے کہ ان کی جائے پیدائش کاشی ہے۔

آج اس پر مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں عربی مدارس کے فارغین کی سند کو فلاں یونیورسٹی نے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کے مساوی درجہ دیا ہے، مزید دو تین سال کی کوشش کر کے بی، اے کر سکتے ہیں، اس کو اشتہار کے ذریعہ اور پمفلٹ کی شکل دے کر گوشے گوشے میں شائع کیا جاتا ہے، حد یہ ہے کہ مدارس کی روئیداد کے سرورق پر اس کو خوشخبری کے خوش کن عنوان سے اپنے مدرسہ کی بڑی کارگزاری اور کامیابی دکھائی جاتی ہے اور قوم سے اس کی داد لی جاتی ہے، ان ارباب مدارس نے اس پر غور نہ کیا کہ کسی یونیورسٹی اور کالج کی یہ فراخ دلی اور فیاضی دینی مدارس کے مقاصد کے لیے کس قدر مضر ہے، ایک بڑی تعداد بتائی جا سکتی ہے کہ حدیث شریف سے فراغت کے بعد اور اساطین امت کے دستخطوں سے اپنی سند کو مزین کرنے کے بعد جب یونیورسٹی میں پہنچے اور محبوب مشغلے میں لگے تو ان کو دیکھ کر مسلمان سمجھنا بھی مشکل ہو گیا اور زبان سے یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ ہم نے دینی مدارس میں رہ کر اپنی عمر ضائع کی، جی چاہتا ہے کہ اس موقعہ پر حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحب مدظلہ العالی کا ایک مضمون درج کر دیا جائے، جس میں مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ ان کی اولاد کے لیے دینی تعلیم سے بہتر کوئی مصرف نہیں ہے۔

مولانا فرماتے ہیں:

”لوگ ذرا دینی شعور اور حسن نیت کے ساتھ آخرتی نقطۂ نظر سے اپنی اولاد کو اللہ

کے دین کا خادم بنانے کا عزم تو کرلیں اور پھر دیکھیں کہ اللہ کا معاملہ کیا ہوتا ہے ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾ والی کریمانہ شان کا تجربہ ان شاء اللہ ہر اس شخص کو کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا جو صدق دل سے صرف رضا الٰہی کے لیے دنیوی مستقبل کے مسئلہ سے صرف نظر کرکے اللہ کے بھروسے اور اس کے اعتماد پر اپنی اولاد کو دینی خدمت کے لیے وقف کردے، اور پھر اس کے لیے صحیح طریقہ کار کے انتخاب میں بھی کوتاہی نہ کرے، مجھے تو اللہ پاک کے فضل و کرم سے اس کی بڑی واثق امید ہے اور میں ہر اس شخص کو جو میری سنے اور میری مانے یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ اپنے بچے کو اللہ کے فضل و کرم کے بھروسہ پر اللہ اور اس کے دین ہی کی نذر کریں، ان کی اولاد کا اس سے بہتر کوئی مصرف نہیں، اس سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اپنی اولاد کو بے روزگار اور اپاہج بنانا طے کرلیں، بلکہ میرا منشا صرف یہ ہے کہ آپ ان کی تعلیم و تربیت اور ساخت و پرداخت ایسی کریں کہ وہ زندگی برائے دین اور معاش برائے معاد کے نظریہ کو اپنے اندر جذب کرکے خود حامل دین اور خادم دین ہوں۔
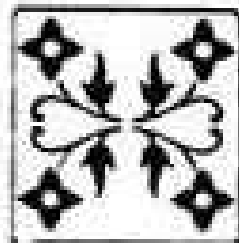
ادبِ دوم

بری باتوں سے اجتناب

طالب علم کو چاہیے کہ اپنے نفس کو رذیل عادات اور بری صفات سے پاک کرے، جھوٹ، غیبت، بہتان، سرقہ، فضول گفتگو اور بری صحبت سے اپنے کو ہمیشہ بچاتا رہے، اس لیے کہ علم دل کی عبادت ہے، جو ایک باطنی شے ہے، پس جس طرح نماز جو ظاہری اعضاء کی عبادت ہے، بغیر طہارت کے درست نہیں ہوتی، اسی طرح علم جو باطنی عبادت ہے، بغیر طہارت باطنی کے حاصل نہیں ہوتی (احیاء العلوم)

"تعلیم المتعلم" میں ایک حدیث نقل کی ہے، ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جو شخص زمانہ طالب علمی میں گناہوں سے احتیاط نہیں کرتا خداوند تعالیٰ اس کو تین چیزوں میں سے ایک میں ضرور مبتلا کرتے ہیں: یا تو وہ عین جوانی میں مرجاتا ہے، یا پھر وہ باوجود فضل وکمال کے ایسی جگہوں میں مارا مارا پھرتا ہے جہاں اس کا علم ضائع ہوجاتا ہے اور علم کی اشاعت نہیں کر پاتا، یا کسی بادشاہ یا رئیس کی خدمت میں ذلتیں برداشت کرتا ہے، طالب علم اگر پرہیزگار ہوگا تو اس کے علم سے لوگوں کو بھی نفع ہوگا اور خود اس پر علم کی راہیں کھلیں گی۔

ایک فقیہ زاہد نے ایک طالب علم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو: غیبت سے بچتے رہنا اور بیہودہ گو طلبہ کے ساتھ ہرگز نشست و برخاست نہ کرنا، جو شخص بیہودہ گوئی میں لگا رہتا ہے وہ اپنا اور تیرا دونوں کا وقت ضائع کرتا ہے، گنہگار اور مفسد لوگوں سے اجتناب اور صلحاء کی صحبت بھی تقویٰ کی ایک قسم ہے۔

حضرت شقیق بلخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تین باتوں پر عمل کیے بغیر فائدہ نہیں ہوتا۔ خواہ اسی صندوق کتابوں کے پڑھ لے۔

(۱) دنیا سے محبت نہ رکھے کیوں کہ یہ مسلمان کا گھر نہیں۔

(۲) شیطان سے دوستی نہ کرے، کیونکہ یہ مسلمان کا رفیق نہیں۔

(۳) کسی کو تکلیف وپیشہ نہیں۔

میمون بن مہران رحمہ اللہ ما رس کا پڑھنا بے فائدہ ہے جب تک کہ اطاعت اور خوف بھی

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

علم چنداں کہ تکلف ، نہ عمل در تو نیست نادانی
محقق بود نہ پائے برو کتابے چند

عبداللہ بن قاسم فرماتے ہیں سال تک امام مالکؒ کی خدمت میں رہا، ان میں اٹھارہ سال ادب اور اخلاق م میں خرچ ہوئے اور دو سال علم کی تحصیل میں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں: جس طرح چراغ بلا جلائے روشنی نہیں دیتا اسی طرح علم بھی بلا عمل کے فائدہ نہیں دیتا۔

حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مزے دار باتیں بتانے کے لیے علم حاصل نہ کرو کہ جو کچھ سنا بغیر عمل ہی کے اس کو بیان کر دیا، علم کو صرف عمل کے لیے طلب کرنا چاہیے، خدا کی قسم! اگر عمل کے لیے لوگ علم حاصل کیا کرتے تو ہر ہر بات کو کڑوی دوا کی طرح گھونٹ گھونٹ پیتے، یہ لذت اور مزہ بھول جاتے۔

حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم کی ایک قیمت ہے، اس کو وصول کیے بغیر کسی کو علم مت دو، لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ قیمت کیا ہے؟ فرمایا: اچھی طرح اس کو دل میں جگہ دینا اور ضائع نہ کرنا، جو یہ قیمت پہلے پیش کرے اس کو علوم پڑھاؤ۔

حضرت ابو محمد عبداللہ رازی کا ارشاد ہے کہ آج کل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اپنے

عیبوں کو پہچانتے ہیں اور جان بوجھ کر پھر بھی انہی پر قائم ہیں، سیدھے راستے کی طرف لوٹنا نہیں چاہتے، وجہ یہ ہے کہ علم حاصل کر کے اسی پر ناز کرنے لگے، فخر و مباہات میں مشغول ہو گئے اس سے کام لینے کا قصد نہیں کیا، عمل میں مشغول نہیں ہوئے، ظاہری باتوں میں قیل قال کرتے رہتے ہیں، باطنی اور قلبی امراض کی بحث کو چھوڑ دیا تو خدا تعالیٰ نے بھی ان کو سیدھا راستہ دیکھنے سے اندھا کر دیا اور ظاہری اعضاء کو طاعات کی بجا آوری سے روک دیا۔

حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم حاصل کرتے ہوئے روتے رہا کرو، کیوں کہ تم فقط علم حاصل نہیں کر رہے ہو بلکہ اپنے اوپر حجت الٰہی کو اچھی طرح قائم کر رہے ہو۔

راس الاتقیاء حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کے حالات میں ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں بازار سے صرف روٹی خریدتے اور سالن اس وجہ سے نہ لیتے تھے کہ دکانوں میں جو سالن پکتا تھا اس میں آم چور کا ڈالنا لازم تھا، اور آموں کے باغات کی بیع کا جو رواج تھا وہ شرعاً ناجائز تھا، اس لیے سالن کے بغیر ہی روٹی کھاتے تھے، طالب علمی کے زمانہ میں اس احتیاط کا یہ اثر تھا کہ کسی مشتبہ مال کو حضرت رحمہ اللہ کا معدہ قبول نہیں کرتا تھا، اگر کبھی کسی جگہ غلطی سے مشتبہ مال کھانے کی نوبت آتی تو فوراً قے ہو جاتی تھی۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ کو زمانہ طالب علمی میں مہتمم صاحب دارالعلوم نے کسی کام سے تھانہ بھون حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیجا، کرایہ کے لیے پیسے دیئے، کچھ پیسے بچ گئے، آپ نے جا کر مہتمم صاحب کو واپس کر دیئے، ایک مقام پر قیام تھا، سامنے نیم کا درخت تھا، جس کے کئی حصہ دار تھے، مسواک کی ضرورت ہوئی تو آپ نے سب شرکاء سے اجازت لینے کے بعد مسواک لی۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری مظاہر علوم کے کام سے کلکتہ گئے، احتیاط کا یہ عالم تھا کہ وہاں کسی عزیز سے ملنے کے لیے گئے تو رکشے کے پیسے اپنے پاس

سے دیئے، حالاں کہ ان کے ملنے میں مدرسہ کا بھی فائدہ تھا۔

مولانا عنایت احمد صاحب مہتمم مظاہر علوم سہارنپور اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث رحمہما اللہ مدرسہ کی کوئی چیز اپنے اوپر استعمال نہیں کرتے تھے، حتی کہ مدرسہ کے فرش پر بھی مدرسہ کے کام کے علاوہ نہ بیٹھتے تھے، ان اکابر کے عمل ہی کا یہ اثر تھا کہ احقر نے حضرت استاذی مولانا سید ظہور الحق صاحب کو دیکھا کہ جلسے کے موقع پر ناظم مطبخ ہوئے، مگر کھانا گھر سے منگا کر کھاتے تھے۔

اس قسم کے سیکڑوں واقعات اپنے اکابر کے ہیں جو دیانت، امانت، تقویٰ کے ساتھ کام کر کے دنیا کے لیے ایک بہترین نمونہ چھوڑ گئے، آج کل مدارس کی چیزوں کو مالِ غنیمت سمجھا جاتا ہے، جس کے قبضہ میں جو چیز آگئی ہو اس کو اپنی میراث سمجھتا ہے، بلکہ اکثر لوگ مدرسے اسی لیے قائم کرتے ہیں کہ آمدنی کا ایک آسان ذریعہ ہے۔

ایک بزرگ نے ایک طالب علم کا قصہ سنایا جو دہلی میں پڑھتے تھے اور ایک مسجد میں رہا کرتے تھے، اس محلّہ میں ایک عورت اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں ملنے کے لیے آرہی تھی، اتفاق سے وہاں فرقہ وارانہ فساد ہوگیا، اس کو پناہ کی جگہ وہی مسجد ملی، رات کا وقت تھا، طالب علم اس کو دیکھ کر گھبرا گیا اور اس سے معذرت کی کہ آپ کا یہاں رہنا مناسب نہیں، لوگ دیکھیں گے تو میری ذلت ہوگی اور مسجد سے نکال دیں گے، جس سے میری تعلیم کا نقصان ہوگا، اس عورت نے حل بیان کیا اور کہا آپ بتایئے ایسی حالت میں جانے میں میری بے عزتی کا خطرہ ہے، طالب علم خاموش ہوگیا اور اس سے کہا کہ ایک کونے میں بیٹھ جا اور خود حجرہ میں مطالعہ میں مشغول ہوگیا، رات بھر مطالعہ میں مشغول رہا اور اثنا مطالعہ میں بار بار چراغ کی بتی میں انگلی رکھ دیتا، ساری رات اس طرح گذاری، عورت یہ ماجرا دیکھتی رہی، جب صبح قریب ہوئی تو طالب علم نے کہا: فسادی اپنے اپنے گھر چلے گئے، اس وقت راستہ صاف ہے، آپ چلیے میں آپ کے گھر آپ کو پہنچا دوں، اس نے کہا کہ میں اس وقت تک نہ جاؤں گی جب تک آپ مجھے اس

کا راز نہ بتادیں کہ آپ بار بار انگلی چراغ میں کیوں رکھ دیتے تھے، طالب علم نے کہا آپ کو اس سے کیا غرض؟ آپ اس کے پیچھے نہ پڑیں، مگر جب عورت مصر ہوئی تو اس نے کہا کہ شیطان بار بار میرے دل میں وسوسہ ڈال رہا تھا اور بدکاری کی ترغیب دے رہا تھا، اس لیے میں انگلی رکھ دیتا تھا اور اپنے نفس کو خطاب کرتا تھا کہ اس دنیا کی معمولی سی آگ جب برداشت نہیں تو جہنم کی آگ پر کیوں دلیری کر رہا ہے۔ اللہ پاک کا شکر ہے کہ اس نے میری حفاظت فرمائی اور عورت یہ سن کر اپنے گھر چلی گئی وہ مالدار کی لڑکی تھی اس کا رشتہ ایک مالدار لڑکے سے ہونے والا تھا، اس نے رشتہ سے انکار کر دیا اور والدین سے کہا کہ میں فلاں طالب علم سے اپنا نکاح کروں گی، والدین اور تمام اعزہ واقارب اس کو سمجھاتے تھے، بہت سے لوگوں کو کچھ بدگمانی بھی ہونے لگی، جب اس عورت نے یہ ماجرا دیکھا تو پورا قصہ سنایا اور کہا کہ میں اسی کے ساتھ نکاح کروں گی، اس کے دل میں خدا کا خوف ہے، اور جس کے دل میں خدا کا خوف ہوتا ہے وہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا، آخر کار اس کا نکاح اس طالب علم سے ہو گیا اور وہ اس گھر کا مالک ہو گیا۔

سچ ہے جو حرام سے بچتا ہے اللہ پاک حلال طریقہ سے اس کا انتظام فرماتے ہیں، آج کل کے طلباء میں بدعملی بڑھتی چلی جا رہی ہے، تقویٰ، دیانت، امانت، تواضع، انکساری نام کو نہیں، ظاہری اعمال تک کی پابندی نہیں پائی جاتی، نماز جماعت تک کا اہتمام باقی نہیں رہا، ہمیشہ ذہن فسادی کی طرف جاتا ہے، جب طالب علمی کی حالت میں اور دینی ماحول میں رہ کر اپنے کو نہیں بنا سکتے تو دوسروں کی زندگی کیا درست کریں گے۔ اللّٰھم احفظنا ووفقنا لما تحب وترضیٰ۔

ایک طالب علم نے بعد نماز عشاء تھوڑی دیر کے بعد ایک چراغ بجھا کر دوسرا چراغ جلایا اور مطالعہ کے لیے بیٹھ گیا، ایک بزرگ جو وہاں اتفاق سے موجود تھے اس کی وجہ دریافت کی، طالب علم نے کہا یہ مسجد کا چراغ تھا، جتنی دیر اس کے جلانے کی اجازت ہے اتنی دیر اس کو جلاتا ہوں، بعد میں اپنا تیل جلا کر مطالعہ کرتا ہوں، اس بزرگ نے

دریافت کیا: آپ کا کس سے اصلاحی تعلق ہے؟ طالب علم نے کہا: حکیم الامتؒ سے، بزرگ نے کہا: اس کا یہی اثر ہونا چاہیے۔

طالب علم اگر واقعی چاہتا ہے کہ علم سے فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچائے تو اپنی اصلاح سے کسی وقت غافل نہ رہے، اس کی آسان صورت یہی ہے کہ کسی بزرگ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرے اور ہر کام اس سے دریافت کرنے کے بعد کرے۔

سیدی ومولائی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم نے ابوداؤد شریف کے سبق میں فرمایا کہ طالب علم اگر طالب علمی کے زمانہ میں صاحب نسبت نہ ہوا تو کچھ نہ ہوا، اس کے بعد فرمایا کہ مولانا ابرارالحق صاحب کو اللہ پاک نے طالب علمی ہی کے زمانہ میں یہ دولت عطا فرمائی تھی (انتہی)

اسی نسبت اور تعلق مع اللہ کا نتیجہ ہے کہ آج اصلاح امت کا اللہ پاک ان سے بہت بڑا کام لے رہے ہیں، جس کا جی چاہے ہردوئی جا کر دیکھ لے۔

تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کتا ہو، تو جب انسان اپنی تعلیم کو ملائکہ کے ذریعہ حاصل کرتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اخلاق ذمیمہ جو معاصی کہلاتے ہیں ان سے پرہیز کرے تاکہ یہ بری عادتیں اس کے علم میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ آداب وسنن کے معاملہ میں سستی وکاہلی سے کام نہ لے کیوں کہ یہ طے شدہ امر ہے کہ جو شخص آداب میں کوتاہی کرتا ہے وہ سنتوں میں کوتاہی کرے گا اور سنتوں میں کوتاہی کا اثر یہ ہوگا کہ اس سے فرائض چھوٹیں گے اور ادائیگی فرض میں ذرا سی بھی غفلت آخرت کی نعمتوں سے محرومی کی علامت ہے، طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ نماز کثرت سے پڑھتا رہے اور خضوع وخشوع کا خاص طور سے خیال رکھے، یہ چیز حصول علم میں مددگار اور برکتوں کا باعث ہوتی ہے۔

اتباع سنت پر زور دیتے ہوئے ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ دو طالب علموں نے

تحصیل علم کے لیے سفر کیا، جو کہ ہم سبق تھے، دو سال کے بعد جب وہ اپنے گھر واپس آئے تو ایک فقیہ کامل تھا اور دوسرا علم وکمال سے خالی تھا، شہر کے دوسرے علماء نے اس سلسلے میں غور کیا اور دونوں کے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ جو فقیہ کامل ہیں وہ اتباع سنت کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے اور دوسرے صاحب ایسے نہ تھے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: استقامت می باید کہ بر متابعت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام باشد وہیچ مستحبے وادبے فوت نشود (رسول اللہ ﷺ کی پیروی واتباع پر مضبوطی وثابت قدمی دکھانی چاہیے اور کوئی مستحب اور ادب بھی فوت نہ ہونے پائے) (تاریخ دعوت وعزیمت)

عبداللہ بن مبارک کا حال "بستان المحدثین" میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ملک شام میں کسی سے قلم عاریۃً لیا تھا اس کو دینا بھول گئے اور اپنے وطن مرو آگئے، اس وقت خیال آیا تو اس قلم کو دینے کے لیے پھر ملک شام کا سفر کیا، یہ بھی فرمایا کہ میرے نزدیک شک وشبہ کا ایک درہم واپس کردینا لاکھ درہم راہ خدا میں صرف کرنے سے بہتر ہے، انتقال کے بعد صالحین میں سے کسی نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ ابن مبارک فردوس اعلیٰ میں پہنچ گئے۔

مصنف رحمۃ المتعلمین تحریر فرماتے ہیں کہ طالب علم کو چاہیے کہ کھانے پینے میں احتیاط برتے، حلال روزی کھائے، حرام سے بچے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿یٰاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ اکل طیب کو اس لیے مقدم کیا کہ عمل صالح کرنے میں اکل طیب کو دخل ہے، بغیر حلال روزی کے عمل صالح نہیں ہوتا۔

حضور ﷺ نے دعا فرمائی: اللّٰهم انی اسئلك رزقا طیبا وعلما نافعا وعملا متقبلا (اے اللہ! میں آپ سے پاک رزق علم نافع اور قبول کے لائق عمل کا سوال کرتا ہوں) معلوم ہوا کہ پاک روزی کے بغیر علم نافع وعمل صالح کا حصول نہیں ہوتا۔

ادبِ سوم

اساتذہ کا ادب

طالب علم کو چاہیے کہ اساتذہ کا ادب واحترام اپنے اوپر لازم سمجھے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم حاصل کرو اور علم کے لیے متانت اور وقار پیدا کرو، جس سے تعلیم حاصل کرو اس سے خاکساری برتو۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ بوڑھے مسلمان اور عالم حافظ قرآن، بادشاہ عادل اور استاذ کی عزت کرنا تعظیم خداوندی میں داخل ہے۔

ابن وہب کہا کرتے تھے: امام مالک رحمہ اللہ کے ادب سے مجھے جو کچھ ملا علم سے اتنا نہیں ملا۔

شعبہ فرماتے ہیں: جس سے ایک بھی حدیث میں نے سنی، اسی کا میں غلام ہوں۔

استاذ کے سامنے زیادہ بولنے کے بجائے اس کی بات کو توجہ سے سنے، اس کے سامنے زیادہ بولنا بے ادبی ہے، کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو ادب کے ساتھ دریافت کرلے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادے کو نصیحت کی: استاذ کی صحبت میں خود بولنے سے زیادہ سیکھنے کی کوشش کرنا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں لگاتار دو برس تک ارادہ کرتا رہا کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث کے بارے میں

دریافت کروں، مگر ادب اور رعب کی وجہ سے ہمت نہ پڑتی تھی، ایک مرتبہ حج کے موقع پر مہر الظہران میں جب وہ قضاء حاجت سے فارغ ہو کر واپس ہونے لگے تو میں نے دل کڑا کر کے عرض کیا: امیر المؤمنین! ایک حدیث کے متعلق دو برس سے سوال کرنا چاہتا ہوں مگر آپ کا رعب بولنے نہیں دیتا، فرمایا: یہ نہ کیا کرو، جب کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ لیا کرو، علم ہوگا تو بتا دوں گا ورنہ کہہ دوں گا کہ میں نہیں جانتا، کسی اور سے پوچھ لو۔ اسی طرح سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ میں نے سعید بن مالکؒ سے کہا: آپ سے کچھ دریافت کرنا ہے مگر ہیبت کی وجہ سے زبان نہیں کھلتی، فرمایا: بھائی مجھ سے ہرگز مرعوب نہ ہو، جو کچھ پوچھنا ہو بے کھٹکے پوچھ لیا کرو، عرض کیا: پوچھنا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک میں تشریف لے جاتے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا فرمایا تھا: جواب دیا یہ فرمایا تھا کہ اے علی! تم کیا پسند نہیں کرتے کہ مجھ سے تمہاری وہی نسبت ہو جو موسیٰ (علیہ السلام) سے ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو تھی۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ادب سے اپنے استاذ کا نام نہ لیتے تھے، بلکہ ان کا ذکر ان کی کنیت کے ساتھ کیا کرتے تھے (تہذیب)

امام بخاری رحمہ اللہ سے ایک بار کسی نے پوچھا کہ آپ کے دل میں کوئی خواہش ہے؟ فرمایا: خواہش یہ ہے کہ میرے استاذ علی بن مدینی حیات ہوتے اور میں جا کر ان کی صحبت اختیار کرتا۔

امام ربیع فرماتے ہیں کہ اپنے استاذ امام شافعی کی نظر کے سامنے مجھ کو کبھی پانی پینے کی جرأت نہ ہوئی، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کے سامنے ورق بھی آہستہ الٹتا تھا کہ اس کی آواز ان کو سنائی نہ دے۔

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: انسان پر اپنے استاذ کی مدارات واجب ہے اس کی تندی وتیزی کو برداشت کرے، استاذ کوئی اچھی بات بتائے یا کسی بات پر تنبیہ کرے تو اس کی شکر گذاری ضروری ہے، جب وہ کوئی نکتہ بتائے تو تمہیں اگر وہ پہلے سے معلوم ہو جب

بھی یہ ظاہر نہ کرو کہ مجھے پہلے سے معلوم ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی دامت برکاتہم کو ان کے ایک شامی استاذ نے معمولی سی بات پر جو غلط فہمی پر مبنی تھی بہت زیادہ مارا تھا، لیکن اس وقت اور اس کے بعد مولانا کے دل میں ذرا بھی تکدر نہ ہوا، آج عرب اور عجم میں حضرت مولانا کا جو مقام ہے اور اللہ پاک دین کی جو خدمت ان سے لے رہا ہے دنیا اس کو دیکھ رہی ہے، خداوند کریم ان کے سایہ کو مخلوق پر بعافیت تمام باقی رکھے، اور ان کے فیض و برکات سے دنیا کو سیراب کرتا رہے۔

بزرگوں نے فرمایا کہ استاذ کے سامنے ادب سے بیٹھو، اس کے برابر نہ بیٹھو، وہ کہے تب بھی نہ بیٹھو، جب نہ بیٹھنے پر اس کو صدمہ ہو تو مضائقہ نہیں، اس کے سامنے بڑے ادب سے گفتگو کرو۔ لم (کیوں) لانسلم (ہم نہیں تسلیم کرتے) نہ کہو۔

ایک بزرگ نے فرمایا: اپنے اساتذہ کو برا نہ کہو، ورنہ تمہارے تلامذہ تمہیں برا کہیں گے، استاذ کا یہ بھی حق ہے کہ فراغت کے بعد بھی اس سے ملاقات کرتا رہے شرح **الطریقۃ المحمدیہ** میں واقعہ لکھا ہے کہ جس وقت امام حلوانی بخارا سے دوسری جگہ تشریف لے گئے، تو امام زرنوجی کے علاوہ اس علاقہ کے تمام شاگرد سفر کرکے ان کی زیارت کو گئے، مدت کے بعد امام زرنوجی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے غیر حاضری پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے معذرت پیش کی کہ ماں کی خدمت کی وجہ سے نہیں آسکا، اس وقت حلوانی نے فرمایا: تم کو عمر تو ضرور نصیب ہوگی مگر درس نصیب نہ ہوگا، چناں چہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت استاذی مولانا شاہ عبدالرحمن صاحب محدث صدر المدرسین مظاہر علوم نے اپنا ایک واقعہ سنایا تھا کہ میں اپنے وطن سے جب سہارن پور پڑھنے کے لیے آیا تو ہر استاذ سے مل کر آیا تھا، ایک استاذ سے ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں ان سے ملاقات نہ ہوسکی، جب سہارن پور آکر پڑھنا شروع کیا تو کتاب بالکل سمجھ میں نہ آئے، حالاں کہ

میں اپنی جماعت میں بہت سمجھ دار سمجھا جاتا تھا، اس کے اسباب پر غور کیا اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی اور ان استاذ کی خدمت میں خط لکھ کر معافی مانگی اور ملاقات نہ ہو سکنے کی وجہ لکھی، انھوں نے جواب میں فرمایا: میرے دل میں خیال ہوا تھا کہ مجھے چھوٹا سمجھ کر شاید تم نہیں ملے، لیکن تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ یہ بات نہیں تھی، اس کے بعد دعائیہ الفاظ لکھے، حضرت مولانا نے فرمایا کہ اساتذہ کے احترام ہی کا نتیجہ ہے کہ تمہارے سامنے ترمذی پڑھا رہا ہوں۔

درس کا یہ عالم تھا کہ سب کا اس پر اتفاق تھا کہ ان سے بہتر اس وقت ترمذی پڑھانے والا پورے ملک میں کوئی نہیں۔

استاذ کو کبھی ناراض نہ کرنا چاہیے، اگر اس کی شان میں خدانخواستہ کوئی بے ادبی اور گستاخی ہو جائے تو فوراً انتہائی عاجزی کے ساتھ معافی مانگ لے، اگر استاذ کا دل مکدر ہو گیا تو اس سے فیض نہیں حاصل کر سکتا۔

ایک مرتبہ امام احمد رحمہ اللہ کسی مرض کی وجہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، اثنائے گفتگو میں ابراہیم بن طہمان کا ذکر نکل آیا، ان کا نام سنتے ہی امام احمدؒ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: یہ نازیبا بات ہوگی کہ بڑوں کا نام لیا جائے اور ہم ٹیک لگا کر بیٹھے رہیں۔

طالب علم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ استاذ کی اولاد اور اس کے متعلقین کی بھی تعظیم کرے، تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ صاحب ہدایہ نے ائمہ بخارا میں سے ایک بڑے عالم کا یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک دن ایسا ہوا کہ یہ عالم درس میں بیٹھے تھے، یکایک کھڑے ہو گئے، دریافت کرنے پر فرمایا کہ میرے استاذ کا لڑکا بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، جب کھیلتے ہوئے مسجد کی طرف آیا تو میں اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گیے۔

حضرت استاذی مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم نے ایک مرتبہ اپنی مجلس میں بیان فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے حج بیت اللہ کا ارادہ فرمایا تو روانگی سے قبل حضرت مولانا قاسم صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دہلیز کے پاس کھڑے ہو کر

عرض کیا کہ اماں جی! اپنی جوتیاں مجھے عنایت فرمادیں، چناں چہ ان کی جوتیاں لے کر سر پر رکھ کر دیر تک روتے رہے اور فرمایا کہ میں اپنے استاذ کا حق کما حقہ ادا نہ کر سکا، شاید میرا یہ عمل اس کوتاہی کی تلافی کر سکے۔

علامہ شعرانی تحریر فرماتے ہیں کہ طالب علم کے کوتاہی عمل کی پکی علامت یہ ہے کہ ہم اس کو استاذ کے سامنے بے ادب پائیں، استاذ سے بات چیت کرتے ہوئے اپنی نگاہ نیچی نہ کرتا ہو، استاذ کے سامنے اس کی تعظیم نہ کرتا ہو، اور اس کی غیر موجودگی میں حرمت وعظمت کا لحاظ نہ کرتا ہو، استاذ کا انتقال ہو جائے تو اس کے وظیفہ یا کسی قیامگاہ کے لیے کوشش کرتا ہو کہ اس کو مل جائے اور اس کی اولاد سے ان امور میں مقابلہ کرتا ہو اور اپنے کو ان سے زیادہ مستحق سمجھتا ہو، استاذ کے کلام کو اپنی فہم ناقص کی وجہ سے یا کسی دوسرے کے کلام سے رد کرتا ہو، استاذ سے علوم حاصل کر کے اسی سے بحث ومباحثہ کرتا ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف سکھایا، اگر وہ چاہے تو مجھے بیچ دے اور اگر چاہے تو آزاد کر دے یا غلام رکھے، ایک شاعر کہتا ہے:

رأیت أحق الحق حق المعلم ❁ وواجبہ حفظا علی کل مسلم
لقد حق ان یھدی الیہ کرامۃ ❁ لتعلیم حرف واحد الف درھم

(سب سے بڑا حق تو معلم کا ہے جس کی رعایت تمام مسلمانوں پر فرض ہے، واقعی وہ شخص جس نے تم کو ایک لفظ سکھایا اس کا مستحق ہے کہ ہزار درہم اس کے لیے ہدیہ کیے جائیں، بلکہ اس کے احسان کے مقابلہ میں تو ہزار درہم کی بھی کوئی حیثیت نہیں)

جو شخص اپنے استاذ کی تکلیف کا باعث ہو وہ علم کی برکت سے محروم رہے گا اور برابر کوششوں کے باوجود علم کی دولت سے متمتع نہیں ہو سکتا۔

ان المعلم والطبیب کلاھما ❁ لاینصحان اذاھما لم یکرما
فاصبر بدائك ان جفوت طبیبہ ❁ واقنع بجھلك ان جفوت معلماً

معلم اور طبیب کی جب تک توقیر اور تعظیم نہ کی جائے وہ خیر خواہی نہیں کرتے۔ بیمار نے اگر طبیب کے ساتھ بدعنوانی کی ہے تو اس کو ہمیشہ بیماری ہی پر قائم رہنا پڑے گا، اور شاگرد نے اگر اپنے استاذ کے ساتھ بدتمیزی کی ہے تو وہ ہمیشہ جاہل رہے گا (تعلیم المتعلم) استاذ اگر بار بار کسی بات کو کہتے تب بھی غور سے سنتا رہے، اکتائے نہیں۔ تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ جو ایک ہزار مرتبہ سننے کے بعد بھی علم کی وہی عظمت نہ کرے جیسا کہ پہلی بار کی تھی وہ شخص اہل علم میں سے نہیں ہے۔ سبق اور کتاب کا انتخاب خود اپنی رائے سے نہ کرے، پہلے زمانہ میں طلباء اپنے پڑھنے پڑھانے کا معاملہ استاذ پر معلق رکھتے تھے جس کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے تھے اور جب خود انتخاب شروع کر دیا تو علم سے محروم رہنے لگے۔ امام بخاریؒ نے محمد بن حسن سے کتاب الصلوۃ پڑھنی شروع کی تو ان سے محمد بن حسن نے فرمایا: تمہارے لیے علم حدیث کا پڑھنا مناسب ہے، کیوں کہ تمہارے اندر اس علم سے مناسبت پاتا ہوں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے استاذ کا مشورہ قبول کیا، دنیا نے دیکھا کہ وہ امیر المومنین فی الحدیث ہوئے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ طالب علم کو جس فن سے مناسبت ہو اس میں زیادہ محنت کر کے مہارت پیدا کرے اور پھر اس کی اشاعت میں لگ جائے، اس میں خود رائی نہ کرے، بلکہ استاذ سے بھی اس میں مشورہ کرے، قرآن پاک میں حضور ﷺ کو مشورہ کا حکم فرمایا گیا ہے، حالاں کہ آپ سے زیادہ سمجھ دار کوئی نہیں ہو سکتا، چناں چہ آپ صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کرتے تھے حتی کہ گھریلو زندگی کے معاملات میں بھی مشورہ کرتے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ کوئی بھی شخص مشورہ کرنے کے بعد ہلاک نہیں ہوا، یہ مقولہ مشہور ہے کہ انسان تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک انسان کامل، دوسرا نصف مرد اور تیسرا جو لاشے کے درجہ میں ہو، مرد کامل وہ ہے جو صاحب الرائے ہونے کے باوجود مشورہ کرتا ہے، اور نصف مرد وہ ہے جس کی رائے تو درست ہے مگر مشورہ نہیں

کرتا، تیسرا جو بالکل لاشے کے درجہ میں ہے وہ ہے جو نہ درست رائے رکھتا ہے اور نہ بالکل مشورہ کرتا ہے۔

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ نے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کو نصیحت کی تھی کہ اپنے معاملات میں ان لوگوں سے مشورہ لیتے رہا کرو جن کے قلوب اللہ کے خوف سے لبریز ہیں، جب تمام معاملات میں مشورہ کی ضرورت ہے تو علم جو ایک بلند ترین مقصد ہے اس میں مشورہ کرنا تو زیادہ ضروری ہے اور استاذ سے بڑھ کر اس معاملہ میں کوئی صحیح رائے نہیں دے سکتا، استاذ اور مدرسہ کے انتخاب میں خواہ کچھ دیر لگ جائے، لیکن جب کسی کو انتخاب کرلیا تو جب تک استاذ کی مرضی نہ ہو دوسرے مدرسے اور دوسرے استاذ کے پاس نہ جائے، البتہ استاذ کی دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر دوسرے کے پاس بھیجنے میں طالب علم کا فائدہ ہے تو اس میں خیانت نہ کرے اور اس کو بخوشی اجازت دے دے۔

تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ جو طلباء اساتذہ کو بدلتے رہتے ہیں کبھی کسی کے پاس چلے گئے، کبھی کسی کے پاس چلے گئے، اس سے علم کی برکت ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت حکیم الامت ؒ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب کی رائے ہوئی کہ دوسرے استاذ کے پاس رہنے کے لیے بھیجا جائے، جب مجھے معلوم ہوا تو رات بھر نیند نہیں آئی، کھانا نہیں کھایا گیا، گھر کی مستورات نے یہ حال کہا تو والد صاحب نے اپنی رائے بدل دی اور میں بدستور اپنے سابق استاذ ہی کی خدمت میں رہا، پھر دنیا نے دیکھا کہ استاذ کی عظمت ومحبت نے کیا رنگ پیدا کیا اور پھر حضرت سے اصلاح امت کا کتنا بڑا کام ہوا۔ آج کل اچھی طرح اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ طلباء کو ایک جگہ قرار ہی نہیں، دورۂ حدیث تک پہنچنے سے پہلے نہ معلوم کتنے مدارس کی سیر ہو جاتی ہے، اصل میں مقصود علم نہیں ہوتا تا کہ اس کے نقصان کی فکر ہو، عیش وآرام مطلوب ہے، جس مدرسہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہاں زیادہ آرام ہے وہیں کے لیے بستر بندھ گیا، استاذ کی خوشنودی کامیابی کا زینہ ہے، اس کی ایک نگاہ طالب علم کو

کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے علم حدیث کی سند حضرت حاجی محمد افضل صاحب سے حاصل کی تھی، مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تحصیل علم سے فراغت کے بعد حاجی صاحب نے اپنی کلاہ جو پندرہ برس تک آپ کے عمامہ کے نیچے رہ چکی تھی مجھے عنایت فرمائی، میں نے رات کو گرم پانی میں وہ ٹوپی بھگو دی، صبح کے وقت وہ پانی اہل تاش کے شربت سے زیادہ سیاہ ہو گیا تھا، میں اس کو پی گیا، اس پانی کی برکت سے میرا دل و دماغ ایسا روشن اور ذہن ایسا تیز ہو گیا کہ کوئی مشکل کتاب مشکل نہ رہی، اساتذہ کی ٹوپیاں اچھالنے والے اور مدرسہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی اسکیمیں کرنے والے طلبہ اس پر غور کریں کہ استاذ کی عظمت کرنے والوں نے کیا دولت حاصل کی اور پھر انھوں نے دنیا کو کیسا فیض پہنچایا، بغیر اجازت استاذ سے بات نہ کرے اور اس کے سامنے بلند آواز سے نہ بولے، اس کے آگے نہ چلے اس کے بیٹھنے کی جگہ پر نہ بیٹھے، اس کی منشاء معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہے اور اس کے مطابق عمل کرے، اگر کسی وقت استاذ کی طبیعت مکدر ہو تو اس وقت اس سے کوئی بات نہ پوچھے، کسی اور وقت دریافت کرلے، استاذ کو دستک دے کر نہ بلائے، بلکہ اس کے نکلنے کا انتظار کرے۔ (تعلیم المتعلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ میں انصار کے پاس سے مجھے زیادہ علم ملا، میں ان کے دروازے پر دوپہر کی گرمی میں پڑا رہتا تھا، حالاں کہ اگر میں چاہتا تو وہ مطلع ہونے پر فوراً نکل آتے، مگر مجھے ان کے آرام کا خیال رہتا تھا، جب وہ باہر آتے اس وقت میں ان سے دریافت کرتا۔

حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے بارے میں متعدد حضرات نے بیان کیا کہ کوئی بات دریافت کرنی ہوتی یا کتاب کا مضمون سمجھنا ہوتا تو حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے مکان کے دروازے پر جا کر بیٹھ جاتے، جب حضرت گھر سے باہر نکلتے اس وقت دریافت کرتے اور یہ تقریباً روزانہ ہی کا معمول تھا۔

ادب چہارم

اساتذہ کی خدمت

طالب علم کو چاہیے کہ استاذ کی خدمت کو اپنے لیے فلاح دارین کا ذریعہ سمجھے، ہم نے استاذ کے آداب میں تحریر کیا ہے کہ طالب علم سے خدمت نہ لے، یہی اس کے لیے مناسب ہے، لیکن طالب علم استاذ کے کہنے کا انتظار نہ کرے، خود ہی اس کا کام کردیا کرے اور اس میں اپنی سعادت سمجھے، جو طالب علم اپنے استاذ کی خدمت کرتا ہے اللہ پاک اس کو دینی و دنیوی ترقی عطا فرماتا ہے، ایسے طلبہ بعد میں دین کی اشاعت کرتے ہیں، جس سے ہزاروں بندگان خدا کو ہدایت نصیب ہوتی ہے، وہ زمین پر مانند ستاروں کے ہوتے ہیں، ان کی صحبت میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ برسہا برس کا پاپی گناہوں سے توبہ کرکے خداوند تعالیٰ کی معرفت کا نور قلب کے اندر پیدا کرتا ہے، ان کی فراست و ذکاوت سے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل حل ہوتے ہیں، وہ اساطین امت ہیں جن پر زمین و آسمان فخر کرتے ہیں، وہ جس سرزمین پر قدم رکھتے ہیں گمراہی دور ہوجاتی ہے اور ہدایت کی راہیں کھل جاتی ہیں، ہر ایک کو اس کا اچھی طرح تجربہ ہے کہ جس کو جو کچھ ملا ہے استاذ کی خدمت اور اس کی عنایت و مہربانی سے ملا، دین و دنیا کی عزت انھیں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

حماد بن سلمہ کی ہمشیرہ عاتکہ فرماتی ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہمارے گھر کی روئی دھنتے تھے اور ہمارا دودھ ترکاری خرید کرلاتے تھے اور اس طرح کے بہت سے کام کیا کرتے تھے، حماد امام ابوحنیفہؒ کے استاذ ہیں، اس وقت کیا کوئی سمجھ سکتا تھا کہ حماد کے گھر

کا یہ خادم تمام عالم کا مخدوم ہوگا۔

صاحب تعلیم المتعلم لکھتے ہیں کہ امام فخر الدین کو میں نے مرو میں بادشاہ کے پاس دیکھا کہ بادشاہ ان کی بہت تعظیم کرتا تھا اور یہ بات بار بار کہا کرتا تھا کہ میں نے یہ سلطنت اور عزت محض استاذ کی خدمت کے سلسلہ میں پائی، کیوں کہ میں اپنے استاذ قاضی امام ابوزید دبوسی کی بہت خدمت کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ میں نے تیس سال متواتر ان کا کھانا پکایا اور اس میں سے کچھ کھاتا نہ تھا۔

ایک واقعہ اسی کتاب میں اور بیان کیا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے اپنے بیٹے کو حضرت اصمعی رحمہ اللہ کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے بھیجا، ایک مرتبہ ہارون رشید گئے تو دیکھا کہ شہزادہ ان کو وضو کرا رہا ہے وہ پانی ڈالتا ہے اور حضرت اصمعیؒ اعضاء دھوتے ہیں، ہارون رشید نے اصمعی سے کہا کہ میں نے آپ کے پاس علم وادب کے لیے بھیجا تھا آپ کیا ادب سکھا رہے ہیں، اس کو یوں نہیں حکم دیتے کہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالتا اور دوسرے ہاتھ سے آپ کا پیر دھوتا۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری مدظلہ العالی پسر علامہ انور شاہؒ یہاں مدرسہ میں تشریف لائے تھے اور طلبہ کے سامنے تقریر فرمائی، جس میں واقعہ بیان کیا کہ ایک بنگالی طالب علم ڈابھیل میں حضرت والد صاحب کی خدمت کیا کرتا تھا، ذہن کے اعتبار سے بہت کمزور تھا، محنت بھی زیادہ نہ کی تھی، سب طلباء سے کمزور رہتا تھا، لیکن اللہ پاک نے اس سے دین کی بڑی خدمت لی، اس وقت اپنے علاقہ کے شیخ الاسلام ہیں، سفر حج میں ان سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ یہ سب حضرت شاہ صاحب کی خدمت کا ثمرہ ہے۔

امام ابویوسف رحمہ اللہ ہمیشہ اساتذہ کے لیے دعاء مغفرت کیا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میں نے جب بھی کوئی نفل یا فرض نماز پڑھی تو اساتذہ کے لیے دعا ضرور کی۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے حالات میں ہے کہ ان کے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ کے یہاں مہمان زیادہ آگئے، بیت

الخلاء ایک ہی تھا، مہمانوں کا قیام کئی دن رہا، حضرت مدنی روزانہ رات کو آ کر بیت الخلاء صاف کر جاتے اور صبح کو بیت الخلاء صاف ملتا۔

حضرت معن بن عیسیٰ امام مالکؒ کے شاگردوں میں سے ہیں، اپنے زمانہ کے بڑے محقق اور مفتی تھے، اور یہ مقام ان کو اپنے استاذ کی خدمت کی بدولت ملا۔

حضرت امام مالکؒ ضعیف ہو گئے تھے، عصا رکھنے کی ضرورت ہوئی تو بجائے عصا کے معن بن عیسیٰ ہوتے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ ان کے کندھے پر سہارا دے کر چلا کرتے تھے۔

راقم الحروف کے ایک ساتھی قاری رحیم بخش صاحب حضرت استاذی قاری فتح محمد صاحب پانی پتی دامت برکاتہم کی بہت خدمت کرتے تھے، ذہین تھے، مگر پڑھنے میں زیادہ محنت نہ کرتے تھے، دورۂ حدیث تک میں دوسرے طلباء کی طرح انھوں نے محنت نہیں کی تھی، لیکن استاذ کی خدمت کا نتیجہ ہے کہ اس وقت ملتان کے مدرسہ میں ممتاز مدرس کی حیثیت سے ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

پانی پت کے زمانہ طالب علمی میں عزیزی مولوی حافظ سید نعمت اللہ اپنے استاذ کی بڑی خدمت کرتے تھے ان کے اعزہ واقارب کے کام کرنے میں بھی کبھی دریغ نہ کرتے تھے، چوں کہ کم عمر تھے اور دیانت دار تھے اس لیے محلہ کی مستورات کو جب بازار سے کوئی سامان منگانے کی ضرورت ہوتی تو انہیں کے ذریعہ منگاتی تھیں، اسی خدمت کا صلہ ہے کہ آج اللہ پاک ان سے دین کا جو کام لے رہا ہے بڑی بڑی ڈگری والے وہ نہیں کر رہے ہیں اس ناچیز پر بھی اللہ پاک کا بڑا فضل رہا کہ ہر جگہ اس سعادت کے حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔

ادب پنجم

دین کی کتابوں کا احترام

طالب علم کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ اساتذہ کی تعظیم اور احترام کرے اسی طرح اس کو چاہیے کہ دین کی کتابوں کی عظمت بھی اس کے دل میں ہو، اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ رکھیں۔

(۱) کسی کتاب کو بغیر طہارت کے نہ چھوئے۔

شمس الائمہ حلوائی فرماتے ہیں کہ ہم کو علم جو حاصل ہوا اس میں علم کی عظمت کو بڑا دخل ہے، میرا یہ حال تھا کہ کبھی کسی کتاب کو بلا وضو نہیں چھوتا تھا۔

شمس الائمہ سرخسی کا یہ عالم تھا کہ باوجود ریاحی امراض میں مبتلا ہونے کے بغیر وضو کے ہاتھ میں کتاب نہ اٹھاتے تھے، ایک بار مطالعہ کے دوران میں ان کو تقریباً سترہ بار وضو کرنا پڑا اور عقلی وجہ اس کی یہ ہے کہ اصل میں علم نور ہے اور وضو بھی نور ہے لہٰذا علم کا نور وضو کے نور کی وجہ سے زیادہ ہو جائے گا۔

(۲) طالب علم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ کتاب کی طرف پیر نہ دراز کرے اور تفسیر، حدیث، فقہ کی کتابوں کو بقیہ فنون کی کتابوں کے اوپر رکھے، کتاب ادب کے ساتھ اٹھائے، کسی کو دے تو پھینک کر نہ دے، اس میں کتاب کی بے ادبی ہے۔

(۳) کتاب پر کوئی چیز نہ رکھے۔

شیخ الاسلام برہان الدینؒ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب کتاب کے اوپر دوات رکھنے کے عادی تھے تو ہمارے شیخ نے فرمایا کہ تم اپنے علم سے ہرگز کچھ فائدہ نہیں

اٹھا سکتے ہوں۔

ایک مرتبہ راقم الحروف سہارنپور حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ ناظم اعلیٰ مظاہر علوم سہارنپور سے حکیم الامت کی خدمت میں تھانہ بھون جا رہا تھا، گاڑی کے اسی ڈبے میں حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی شیخ التفسیر تشریف رکھتے تھے، راقم نے ایک تھیلی میں کچھ کپڑے اور کتابیں باندھ رکھی تھیں کتابیں نیچے تھیں اور کپڑے اوپر، حضرت نے تنبیہ فرمائی کہ ایسا نہ کرنا چاہئے۔

ایک عالم نے اپنے دو طالب علموں کو دو حال میں پایا، ایک تکیہ کا سہارا لیے مطالعہ کر رہا تھا اور دوسرا دو زانو مستعد بیٹھا کتاب دیکھنے میں مشغول تھا اور کچھ لکھتا بھی جا رہا تھا، جوہر شناس استاذ نے یہ ماجرا دیکھ کر اول کی نسبت فرمایا **انه لایبلغ درجة الفضل** (یہ فضیلت کے کسی درجہ کو نہ پہنچے گا) اور دوسرے کی بابت فرمایا **سیحصل الفضل ویکون له شان فی العلم** (یہ عنقریب فضل حاصل کرے گا اور اس کے لیے علم میں ایک بڑی شان ہوگی)

امام حلوانی فرماتے ہیں کہ ہم نے اس علم کو تعظیم کے ذریعہ حاصل کیا، سادہ کاغذ بھی بغیر وضو کے ہاتھ میں نہیں لیا۔

یوسف بن حسین نے فرمایا کہ ادب سے علم سمجھ میں آتا ہے اور علم سے عمل کی تصحیح ہوتی ہے اور عمل سے حکمت حاصل ہوتی ہے۔
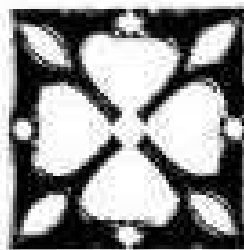
ادب ششم

رفقاء کے ساتھ ہمدردی

طالب علم کو چاہیے کہ اپنے رفیقوں اور ساتھیوں کا احترام کرے، اور ان کے حقوق کا لحاظ رکھے اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ دے، اگر اس کا ساتھی غلط عبارت پڑھے تو اس پر ہنسا نہ جائے، کیوں کہ اس نے غلط فہمی اور ناواقفیت کی وجہ سے غلط پڑھا ہے، تمہاری ہنسی سے اسے تکلیف ہوگی اور تمہارے اندر تکبر پیدا ہو جائے گا، اپنے کو تم اس سے اچھا سمجھو گے اور یہ دونوں چیزیں مہلک ہیں۔

اگر کتاب کسی ساتھی کے سمجھ میں نہ آئے تو اس کو تکرار میں سمجھا دیا کرے، اس کو حقیر نہ سمجھے، اور اس پر طعن وتشنیع نہ کرے، اس سے ہر قسم کا ان شاءاللہ نفع ہوگا اور علم میں برکت ہوگی۔

تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ تکبر کے ساتھ علم حاصل کرنا بڑی مشکل بات ہے۔

العلم حرب للفتی المتعالی ❀ کالسیل حرب للمکان العالی

(جس طرح ایک بلند مکان کو سیلاب پاش پاش کر دیتا ہے، اسی طرح متکبر عالم کے علم کو تکبر ختم کر دیتا ہے)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس علم سے تکبر پیدا ہو وہ علم جہل سے بھی بدتر ہے۔

رحمۃ المتعلمین میں واقعہ لکھا ہے کہ تکبر کی بنا پر ایک عالم کا دماغ فالج سے ماؤف ہو گیا تھا جس سے سب علم بھول گیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نماز میں امام بنے اور سلام پھیر کر کہنے لگے کہ صاحبو! اپنے لئے دوسرا امام تجویز کرلو، کیوں کہ اس وقت میرے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ چوں کہ میرے برابر جماعت میں کوئی نہ تھا اس لئے امام تجویز کیا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مکارم اخلاق دس چیزیں ہیں:

(۱) سچ بولنا۔ (۲) لوگوں کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرنا یعنی دھوکا نہ دینا۔ (۳) سائل کو عطا کرنا۔ (۴) احسان کا بدلہ دینا۔ (۵) صلہ رحمی کرنا۔ (۶) امانت کی حفاظت کرنا۔ (۷) روزی کا حق ادا کرنا۔ (۸) ساتھی کا حق ادا کرنا۔ (۹) مہمان کا حق ادا کرنا۔ (۱۰) ان سب کی جڑ اور اصل حیا ہے۔

کمرے میں رہنے والے ساتھیوں کا بھی بہت خیال رکھے، ان سے جھگڑا فساد نہ کرے، ان سے کوئی کوتاہی یا کسی قسم کا نقصان ہو جائے تو اس کو برداشت کرے ان میں جو غریب ہوں حسب استطاعت ان کی امداد کرے۔

صحابہ کرامؓ اور بزرگان دین کے واقعات کو سامنے رکھے کہ ان حضرات کے اندر کس قدر ایثار اور ہمدردی کا جذبہ تھا۔

ایک غزوہ میں ایک صحابی کے چچازاد بھائی کے کافی زخم لگا، جس سے وہ گر گئے، یہ صحابی ان کی تلاش میں نکلے، دیکھا ایک جگہ پڑے ہوئے ہیں، جانکنی کا عالم ہے، پانی مانگا، یہ پانی لے کر گئے تو قریب میں ایک دوسرے ساتھی پڑے تھے وہ بھی پانی مانگ رہے تھے، ان کے بھائی نے اشارہ کیا کہ ان کو پہلے پلادو، ان کے پاس لے کر گئے تو ایک تیسرے ساتھی نے جو وہاں زخمی پڑے تھے پانی مانگا، ان دوسرے صحابی نے اشارہ کیا کہ ان کو پلادو، جب پلانے کے لیے گئے تو ان کا انتقال ہو چکا تھا، دوسرے کے پاس آئے تو ان کی بھی روح پرواز کر چکی تھی، بھائی کے پاس آئے تو وہ بھی ختم ہو چکے تھے، یہ ایثار تھا کہ دوسرے کی ہمدردی میں سب نے پیاس کی حالت میں جان دے دی۔

ایک جگہ شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم نے واقعہ تحریر فرمایا کہ ایک صحابی نے اپنے ساتھی کے لیے سری بھیجی، ان کو اگرچہ ضرورت تھی، لیکن یہ خیال کیا کہ میرے دوسرے ساتھی بھی مجھ سے زیادہ مستحق ہیں، اس لیے ان کے یہاں بھیج دیا، انھوں نے تیسرے کے گھر بھیج دی۔ اسی طرح سے ہر ایک دوسرے کے یہاں بھیجتا رہا، آخر کار سات گھروں میں پھر کر وہ سری پھر انہیں صحابی کے پاس آئی، جنھوں نے شروع میں

بھیج تھا۔

صحابہ کے حالات میں بکثرت اس قسم کے واقعات ملیں گے کہ خود بھوکے رہے اور دوسروں کو کھلا دیا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں کے بارے میں متعدد ثقہ حضرات نے بیان کیا کہ اپنی ضروریات روک کر دوسروں کی امداد فرماتے رہتے ہیں۔

ایک مرتبہ راقم الحروف ان کے وطن تکیہ رائے بریلی میں حاضر ہوا تھا تو قریب کی کسی بستی کے ایک بڑے میاں آئے اور اپنی حاجت ظاہر کی، مولانا کے پاس اس وقت کچھ نہ تھا، اپنے بھانجے مولانا رابع صاحب سے روپے لے کر ان کو دیے مقدار نہیں معلوم کتنی تھی۔

مظاہر علوم کے زمانہ قیام میں حضرت مولانا الحاج شاہ محمد اسعد اللہ صاحب اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کو بکثرت دیکھا کہ کوئی چیز آتی تو فوراً اس کو دوسروں کی خدمت میں بھیج دیا کرتے۔

حضرت مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے متعدد واقعات اس قسم کے ہیں کہ حاجت مندوں کی ضروریات پوری کی، بکثرت علماء و طلباء و غرباء کے لیے حضرت نے وظائف مقرر کر رکھے تھے۔

حضرت استاذی مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم کا جس زمانہ میں کانپور میں قیام تھا، احقر جب بھی حاضر ہوا اس قسم کے نمونے بکثرت دیکھے، بڑی بڑی رقموں سے حاجت مندوں کی ضروریات پوری کی بدن کے کپڑے اور اپنی کتابیں تک دینے میں دریغ نہیں کیا۔ یہ ایثار اور ہمدردی اب بھی بند نہیں ہے اور خود کا عالم یہ ہے کہ جو کچھ مل گیا کھا لیا اور جو کچھ میسر ہوا پہن لیا۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم ❁ اذا جمعتنا یا جریر المجامع

(یہ میرے اکابر ہیں بھلا کوئی ان جیسا نمونہ پیش کرے)

اللہ پاک ہم سب کو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ادب ہفتم

علم حاصل کرنے میں محنت کرنا

طالب علم کو چاہیے کہ اچھی طرح محنت کرے، اپنے اوقات کو ضائع نہ کرے، علم حاصل کرنے میں ہر گز سستی اور کاہلی سے کام نہ لے، کیوں کہ کاہلی علم سے محرومی کا باعث ہوگی۔

سلف کی زندگی پر غور کرے کہ انھوں نے کیسی محنت کی ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (جن لوگوں نے ہمارے لیے جدوجہد کی تو ضرور ہم ان کو سیدھی راہ دکھلائیں گے) دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ﴾ (اے یحییٰ! کتاب کو نہایت قوت کے ساتھ لے)

عربی کا مقولہ ہے: من طلب شیئاً وجد وجد: جو شخص کسی چیز کا طالب ہے اور اس کے لیے کوشش بھی کرتا ہے تو اپنی کوشش کے مطابق اس کو ضرور پالے گا۔

من قرع الباب ولجّ ولج: جس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اہتمام کیا وہ ضرور داخل ہو جائے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الجد فی کل امر شاسع ❁ والجد یفتح کل باب مغلق

(انسان کوشش کے بعد ہر مشکل کام کو انجام دے لیتا ہے، جس طرح بند دروازہ کوشش کے بعد کھل جاتا ہے)

ایک شاعر کہتا ہے:

تمنیت ان تمسی فقیہا مناظرًا ❁ بغیر عناء والجنون فنونٌ
ولیس اکتساب المال دون مشقة ❁ تحملہا فالعلم کیف یکون
(تمہاری خواہش اگر ہے کہ بغیر تکلیف اور مشقت کے عالم فاضل بن جاؤ تو یہ پاگل پن اور جنون ہے، کیوں کہ جب مال ودولت کا حصول بلا مشقت برداشت کئے نہیں ہوتا تو پھر علم جو اس سے بدرجہا بلند ہے اس کا حصول بلا مشقت کے کیسے ہوسکتا ہے؟)

ایک بزرگ کا مقولہ ہے: العلم لایعطیك بعضه حتی تعطیه کلك (علم تم کو اپنا ایک حصہ بھی نہیں دے سکتا، جب تک کہ پورے طور پر اپنے کو اس کے حوالہ نہ کردو)

شیخ الاسلام انصاری فرماتے ہیں: ھذا الشان شان من لیس له شانٌ سوی ھذا الشان (یعنی طلب علم ان جوان مردوں کا کام ہے جن کو مقصود بالذات یہی کام ہو)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے امام ابویوسف رحمہ اللہ سے فرمایا کہ تم بہت کند ذہن تھے، مگر تمہاری کوشش اور مداومت نے تمہیں آگے بڑھا دیا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ کا حال بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ ان کے ماموں امام مزنی رحمہ اللہ نے ان کو کند ذہن ہونے کی عار دلائی اور کہا خدا کی قسم! تجھ سے کچھ نہ ہوسکے گا، امام طحاویؒ ابوجعفر بن ابی عمران حنفی کے درس میں شریک ہوگئے اور بڑی محنت سے علم حاصل کیا اور فقہ میں بڑی مہارت حاصل کی، دنیا نے پھر اس کند ذہن کو امام تسلیم کیا، محنت کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔

محنت کے سلسلہ میں امور ذیل کا لحاظ ضروری ہے:

(۱) مطالعہ: اس کے بغیر کسی طرح استعداد نہیں حاصل ہوسکتی، کوئی بھی اس کے بغیر ترقی نہیں کرسکا۔ امام محمد رحمہ اللہ کے حالات میں ہے کہ طالب علمی کے بعد بھی کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہتے تھے۔

محمد ابن سماعہ جو ان کے خاص تلامذہ میں ہیں فرماتے ہیں کہ امام محمد کو مطالعہ میں اس

قدر انہماک ہوتا تھا کہ اگر کوئی شخص ان کو سلام کرتا تو انہماک اور بے خبری میں جواب دینے کے بجائے اس کے لیے دعا کرنے لگتے۔ ان کے نواسے فرماتے ہیں کہ امام محمد کی وفات کے بعد میں نے اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ نانا جب گھر میں رہتے تھے تو کیا کیا کرتے تھے؟ انھوں نے اشارہ کر کے فرمایا: اس کوٹھری میں رہا کرتے تھے اور گرد وپیش کتابوں کا انبار لگا رہتا تھا، میں نے مطالعہ کے وقت ان کو بولتے ہوئے نہیں دیکھا۔

علمی شغف کا یہ حال تھا کہ کپڑے میلے ہو جاتے تھے مگر اس کا احساس تک نہ ہوتا تھا اور کوئی دوسرا شخص کہہ کر کپڑا نہ بدلوا دیتا تو آپ کپڑے نہ اتارتے، گھر کے مرغ کو اس لیے ذبح کرا دیا تھا کہ اس کی آواز سے مطالعہ میں خلل ہوتا تھا آپ نے یہ کہہ رکھا تھا کہ مطالعہ کے وقت مجھ سے کسی ضرورت کا ذکر نہ کیا جائے، میرا قلب اس طرف متوجہ ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ساری رات امام محمد کے یہاں رہا، آپ کی ساری رات اس طرح گذری کہ کچھ دیر مطالعہ کرتے پھر لیٹ جاتے پھر اٹھ جاتے اور مطالعہ کرنے لگتے، جب صبح ہوئی تو آپ نے فجر کی نماز پڑھی جس سے معلوم ہوا کہ ساری رات باوضو رہے اور جاگتے رہے۔

لکھا ہے کہ امام محمدؒ رات کو بہت کم سوتے تھے، اکثر حصہ درس وتدریس میں اور مطالعہ میں گذرتا۔

بعض احباب نے کم خوابی اور زحمت کشی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا: **کیف انام وقد نامت عیون المسلمین توکلا علینا یقولون إذا وقع لنا امر رفعناه إلیه فیکشفه لنا فإذا نمت ففیه تضییع الدین** (فرماتے ہیں کہ سب لوگ تو اس اطمینان پر سو رہے ہیں کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو ہم جا کر اس (امام محمد) سے معلوم کر لیں گے، اب اگر میں بھی سو جاؤں اور دینی کتابوں کا مطالعہ نہ کروں تو اس میں دین کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے)

حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلی رحمہ اللہ ایک روز کمرے میں مطالعہ کر رہے تھے کہ دوران مطالعہ پانی طلب کیا، ان کے والد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب تشریف فرماتھے، ان کو فکر ہوئی کہ مطالعہ کے درمیان ذہن کسی اور طرف کیسے گیا، معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ پڑھے گا، حکم دیا کہ بجائے پانی کے ارنڈی کا تیل جو وہاں رکھا تھا دے دیا جائے، مولانا عبدالحئی صاحبؒ نے گلاس منہ میں لگایا اور تیل پی گئے اور یہ احساس نہ ہوا کہ تیل ہے یا پانی، اس کے بعد پھر مطالعہ میں مشغول ہو گئے، ان کے والد کی فکر دور ہوئی اور کہا امید ہے کہ پڑھ لے گا، والد صاحب چوں کہ بہت بڑے طبیب بھی تھے اس لئے صاحب زادے کو دوا پلا کر تیل کا اثر زائل کر دیا۔

حکیم الامت نوراللہ مرقدہ کے ایک وعظ میں ہے کہ دہلی میں ایک طالب علم نے جو بہت غریب تھے، اور مطالعہ کے لیے تیل نہ ہونے کی وجہ سے پریشان تھے، ایک دکان دار سے کہا کہ میں تمہاری دکان کا رات کو پہرہ دیا کروں گا، میرے لیے رات بھر کے تیل کا انتظام کر دیا جائے، دکاندار خوش ہوا کہ اتنی کم اجرت پر آدمی مجھے مل گیا اور یہ طالب علم خوش ہوئے کہ میرے مطالعہ کا انتظام ہو گیا، ایک رات یہ مطالعہ کر رہے تھے کہ بادشاہ کی سواری بہت بڑے لشکر کے ساتھ مع باجے گاجے کے اس طرف سے گذری جس کے دیکھنے کے لیے ایک جم غفیر شہر اور اطراف سے جمع ہوا تھا، سواری گذر جانے کے بعد کچھ لوگ جو دور سے یہ جشن دیکھنے کے لئے آئے تھے اس طالب علم کے پاس آکر دریافت کیا کہ بادشاہ کی سواری گذر گئی، طالب علم نے جواب دیا مجھے نہیں معلوم ایک شور ضرور تھا۔

راقم الحروف جب مظاہر علوم میں پڑھتا تھا، حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب دامت برکاتہم کے یہاں فرزند تولد ہوا، حضرت نے فرمایا: شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم کو اطلاع کر دو کہ اگر تکلیف نہ ہو تو حضرت تشریف لا کر دعا کر دیں اور کان میں اذان کہہ دیں، احقر نے عرض کیا: رات کا وقت ہے دو بج

رہے ہیں اس وقت حضرت آرام فرما رہے ہوں گے فرمایا نہیں، ابھی مطالعہ کر رہے ہوں گے، احقر حاضر ہوا تو واقعی حضرت شیخ مطالعہ فرما رہے تھے، اسی وقت تشریف لائے۔

خود حضرت ناظم صاحب حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری، حضرت مولانا عبدالشکور صاحب، حضرت مفتی الحاج محمود صاحب حضرت مولانا امیر احمد صاحب اور دیگر اساتذہ کرام کو بہت زیادہ مطالعہ کرنے والا پایا اور کوئی کتاب بغیر مطالعہ کے نہ پڑھاتے تھے، خواہ کئی بار اس کو پڑھا چکے ہوں۔

حضرت استاذی مفتی سعید احمد صاحب صدر مفتی مظاہر علوم نے فرمایا کہ جلالین شریف میں بیس مرتبہ سے زیادہ پڑھا چکا ہوں، لیکن بغیر مطالعہ کے اب بھی نہیں پڑھاتا اور ہر بار مطالعہ میں ایک نیا لطف حاصل کرتا ہوں، آج کل عجیب بدذوقی طلباء اور اساتذہ کے اندر پیدا ہوتی چلی جارہی ہے کہ مطالعہ کا کوئی اہتمام نہیں، اگر کچھ شوق ہوا تو غیر درسی کتابیں اور اخبار بینی میں اپنا وقت گذارتے ہیں، اور دنیا کے چند تاریخی اور سیاسی واقعات کا علم ہوجانے پر بہت مسرور ہوتے ہیں، غضب یہ کہ درس کے وقت میں بھی انہیں تمام چیزوں پر بحث ہوتی ہے اور پورا وقت اس میں ضائع کردیا جاتا ہے، اس طرح نہ طلباء کو کچھ احساس ہوتا ہے نہ استاذ صاحب کو، حالاں کہ دیانت کے بالکل خلاف ہے، احقر نے سیدی مولائی استاذی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم سے سنا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث نوراللہ مرقدہ دوران سبق کوئی خارجی بات نہیں کرتے تھے، سبق کے بعد بھی اگر کوئی باہر نکل آتا اور کچھ بات کرنا چاہتا تو ہٹ کر بات کرتے اور فرماتے کہ مدرسہ کی دری پر صرف مدرسہ کے کام کے وقت بیٹھنا چاہئے۔

طالب علم کو چاہیے کہ کوئی سبق بلا مطالعہ کے نہ پڑھے اس کے لیے رات کا وقت زیادہ مناسب ہے، اساتذہ نے فرمایا کہ دن میں تکرار اور رات میں مطالعہ کا جو طالب علم اہتمام کرے گا وہ علم میں ترقی کرے گا۔

حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب محدث پانی پتیؒ کے حالات میں ہے کہ ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھ رہے تھے، ایک دن اچھی طرح مطالعہ نہیں کر سکے، والد صاحب نے سبق نہیں پڑھایا، حضرت قاری صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ کھانا نہ کھایا گیا، اس کے بعد مطالعہ کا ناغہ کبھی نہیں ہوا۔

تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ جو اپنے مقصد میں کامیاب ہونا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ رات کے اوقات کو علمی مشاغل میں صرف کرے، ایک شاعر کہتا ہے:

بقدر الكد تكتسب المعالی ❁ ومن طلب العلى سهر الليالی

تروم العز ثم تنام ليلاً ❁ يغوص البحر من طلب اللآلی

علو الكعب بالهمم العوالی ❁ وعز المرء فی سهر الليالی

ومن رام العلى من غير كد ❁ اضاع العمر فی طلب المحال

(تم بلند مقام پر اپنی کوشش کے مطابق پہنچو گے اور جو بھی بلندی تک پہنچنے کی خواہش رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ راتوں کو جاگے، عزت اور ترقی چاہتے ہو اور تمام رات سو کر گذارتے ہو، یہ نہیں معلوم کہ جس کو موتیوں کی طلب ہوتی ہے اس کو دریا میں غوطہ زنی کرنی پڑتی ہے، پھر علم کو اس آرام طلبی کے ساتھ کس طرح حاصل کر سکتے ہیں، عزائم کی بلندی کے بعد ہی انسان بلند مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے، پس راتوں کو جاگنا انسان کی عزت کا باعث بنے گا اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ بغیر تکلیف و مشقت کے بلندی حاصل ہو جائے تو ایک محال بات ہے، جس کی طلب میں وہ اپنی عمر ضائع کر رہا ہے)

حکیم جالینوس سے پوچھا گیا تم نے اپنے ساتھیوں سے زیادہ حکمت کیسے حاصل کرلی؟ جواب دیا میں نے کتب بینی کے لئے چراغ پر اس سے زیادہ خرچ کیا جتنا لوگ شراب پر خرچ کرتے ہیں۔

طالب علمی ہی کے زمانے میں اگر شوق پیدا ہو گیا تو آخر عمر تک رہتا ہے اور اگر اس زمانہ میں بدذوقی رہی اور کتابوں سے مناسبت نہیں پیدا ہوئی تو پھر بعد میں بہت مشکل

ہے، بلکہ مدارس کی زندگی اور تعلیمی لائن اختیار کرنا بھی شاید ہی پسند کرے، یہی وجہ ہے کہ آج کل تعداد تو بہت ہے لیکن مدرس نہیں ملتے، اس کی بڑی وجہ یہی علمی بدذوقی ہے ورنہ ممکن نہیں کہ دس بارہ سال ایک مشغلہ میں رہ کر اپنے لیے کچھ اور تجویز کرے۔

علامہ ابن جوزیؒ کے حالات میں مولانا سید ابوالحسن علی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ اپنے صاحب زادے سے اپنے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا: مجھے خوب یاد ہے میں چھ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوا، کبھی راستہ میں بچوں کے ساتھ نہ کھیلا اور نہ زور سے ہنسا، سات برس کی عمر میں جامع مسجد کے سامنے میدان میں چلا جاتا وہاں کسی مداری یا شعبدہ باز کے حلقہ میں کھڑا ہو کر تماشہ دیکھنے کے بجائے محدث کے درس حدیث میں شریک ہوتا، وہ حدیث و سیرت کی جو بات کہتا وہ مجھے زبانی یاد ہو جاتی، پھر گھر جا کر اسے لکھ لیتا، دوسرے لڑکے دجلہ کے کنارے کھیلا کرتے اور میں کسی کتاب کے اوراق لے کر کسی طرف چلا جاتا اور الگ تھلک بیٹھ کر مطالعہ میں مشغول ہو جاتا۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ ان کا محبوب مشغلہ کتابوں کا مطالعہ تھا، وہ ہر موضوع پر کتابیں پڑھتے تھے اور آسودگی نہ ہوتی تھی۔ سید الخاطر میں تفصیل کے ساتھ ان کے مطالعہ اور کتب بینی کے حالات درج ہیں۔

امام زہری رحمہ اللہ کا مطالعہ کے وقت یہ عالم ہوتا کہ اِدھر اُدھر کتابیں اور ان کے مطالعہ میں ایسے مصروف ہوتے کہ دُنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی، بیوی کو کب گوارہ تھا کہ ان کے سوا کسی اور کی اس قدر گنجائش ہو، ایک روز بگڑ کر کہا واللہ هذه الكتب اشد على من ثلث ضرائر (قسم ہے رب کی یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں)

امام شافعی رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگرد امام مزنی رحمہ اللہ نے اپنے استاذ کی ایک کتاب کا پچاس برس مطالعہ کیا اور خود ہی ناقل ہیں کہ ہر مرتبہ کے مطالعہ میں مجھ کو نئے نئے فوائد حاصل ہوئے۔

ابو العباس ثعلب نے بغداد میں اسحاق موصلی کے کتب خانہ میں ایک ہزار جز فن

لغت سے مجھے جیسا جواب سے سب اسحاق سے مانگنے آتے تھے۔

امام رازیؒ کو افسوس ہوتا تھا کہ کھانے کا وقت یوں ہی علمی مشاغل سے خالی جاتا ہے، چنانچہ خود فرمایا کرتے تھے واللہ انی اتاسف فی الفوات عن الاشتغال بالعلم فی وقت الاکل فان الوقت والزمان عزیز (خدا کی قسم! مجھ کو کھانے کے وقت علمی مشاغل کے چھوٹ جانے پر افسوس ہوتا ہے کیوں کہ فرصت کا وقت بہت عزیز ہے۔ مصرع

در بزم وصال تو بہنگام تماشا ❁ نظارہ ز جنبیدن مژگان گلہ دارد

(علمائے سلف)

ابو بکر ابن بشار ادب کے مشہور امام بغداد ہوئے، شاہزادوں کے اتالیق تھے۔ ایک روز قصر خلافت کو جاتے ہوئے نخاس سے گذرے، وہاں ان دنوں ایک باندی فروخت ہونے کو آئی، جس کے حسن اور سلیقہ کا سارے بغداد میں شہرہ تھا، ابن بشار اس کو دیکھ کر مفتون ہو گئے۔ دار الخلافہ میں پہنچے تو دیر میں پہنچنے کی وجہ دریافت کی، انھوں نے باندی کا قصہ بیان کیا، یہ سن کر خلیفہ نے خفیہ طور پر خدام کو حکم دیا کہ وہ باندی خرید کر ابن بشار کے مکان پر ان کے پہنچنے سے پہلے پہنچا دی جائے۔ جب علامہ ممدوح مکان پر واپس آئے تو باندی کو پایا، دریافت کرنے پر حال معلوم ہوا تو باندی کو بالاخانہ بھیج دیا اور خود وہیں بیٹھ کر ایک علمی مسئلہ پر (جس کی تحقیق میں وہ ان دنوں مصروف تھے) غور کرنے لگے، طبیعت تو دوسری طرف لگ رہی تھی غور کرنے میں خلل ہوا، قلب کا یہ رنگ دیکھ کر ابن بشار نے خادم کو آواز دی اور کہا اس باندی کو لے جا کر واپس کر آؤ، میرے نزدیک اس کی اتنی قدر نہیں ہے کہ میرے دل کو علم سے پھیر دے، خادم گیا اور باندی کو واپس کر آیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے دیکھنے والے کا بیان ہے کہ دن تو خیر دن تھا رات کو بھی امام کا یہ حال تھا کہ بظاہر سونے والوں کی شکل بنا کر لیٹ جاتے، لیکن تھوڑی دیر بعد اپنی باندی کو حکم دیتے کہ وہ چراغ جلاتی اور وہ کچھ لکھتے اس کے بعد چراغ گل کر دیتے۔

مولانا گیلانی نے مفتی رکن الدین کے حوالے سے ان کے ماموں مولانا انوار اللہ خاں صاحب کے مطالعہ کا حال انہیں کے الفاظ میں لکھا ہے کہ ہم کوشش کرتے کہ کتاب کا مضمون مطالعہ ہی میں حل ہو جائے طریقہ یہ تھا کہ پہلے عبارت اور ترجمہ کی طرف توجہ ہوتی جو نئے الفاظ آتے تھے اس کو لغت کی مدد سے حل کیا جاتا، پھر مطلب سمجھنے کی کوشش ہوتی اگر ایک دفعہ میں مضمون حل نہ ہوتا تو ایک بار یا دو بار یا سہ بار سعی کی جاتی، اس پر بھی اگر کچھ رہ جاتا تو استاذ حضرت مولانا فرنگی محلی کے درس میں حل ہو جاتا، جب استاذ سے مطلب معلوم ہوتا تھا تو فرط مسرت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کہیں سے بیش قیمت خزانہ مل گیا، اس طرح سے مطالعہ کرنے کا نتیجہ یہ تھا کہ روزانہ کئی کئی سطر درس ہوتا تھا (مطلع الانوار)

آج کل طلبہ کو اپنے کھانے پینے کی چیزیں پکانے ہی سے فرصت نہیں ملتی، اس طرح انہماک کے ساتھ کون مطالعہ کرے گا، شیخ محدث دہلوی اپنی طالب علمی کا حال درج کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

"در اثناء مطالعہ کہ وقت از نیم شب درمی گذشت والد قدس سرہ مرا فریادی زدہ بابا چہ می کنی"

یعنی آپ اتنی دیر تک مطالعہ میں مشغول رہتے کہ والد ماجد کو رحم آجاتا اور فرماتے کہ کب تک جاگو گے، اب آرام کرو، شیخ فرماتے ہیں کہ والد صاحب کی آواز سن کر فی الحال میں لیٹ جاتا اور جب والد صاحب سو جاتے تو پھر اٹھ کر مطالعہ کرنے میں لگتا، اسی محنت نے تو ان کو محدث بنا دیا تھا۔

قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب محدث کے حالات میں ہے کہ مطالعہ میں ایسا انہماک ہوتا تھا کہ پاس رکھا ہوا کھانا کوئی اٹھا کر لے جاتا تو آپ کو خبر تک نہ ہوتی۔

(تذکرۃ الرشید)

اسی محنت کا اثر تھا کہ زمانہ طالب علمی ہی میں آپ نے بڑی بڑی کتابوں کا سبق

پڑھایا۔سیدی حضرت مولانا الحاج شاہ محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ مظاہر علوم نے فرمایا کہ فراغت کے بعد بھی میرے مطالعہ کا اوسط ایک ہزار صفحات یومیہ ہوتا تھا۔

حضرت استاذی شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہ ایک عرصہ سے صرف ایک وقت دوپہر کو کھانا کھاتے ہیں، شام کو کھانا تناول نہیں فرماتے، ناکارہ نے متعدد بار حضرت سے سنا کہ میری ایک مشفق ہمشیرہ تھیں میں شام کو مطالعہ میں مصروف ہوتا تھا اور وہ لقمہ میرے منہ میں دیا کرتی تھیں اس طرح مطالعہ کا حرج نہ ہوتا تھا، لیکن جب سے ان کا انتقال ہو گیا اب کوئی میری اتنی ناز برداری کرنے والا نہیں رہا اور مجھے اپنی کتابوں کا نقصان گوارا نہیں اس لئے شام کا کھانا ہی ترک کر دیا۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کو مظاہر علوم کی طالب علمی کے زمانہ میں قلب کے دورے کی شکایت ہوگئی، اکثر بے ہوش ہو جاتے، مظاہر علوم میں اب بھی مدرسین بڑی محنت کرتے ہیں، احقر وہاں تقریباً ہر سال حاضر ہوتا ہے، وہاں کے حضرات کی زندگی قابل رشک ہے۔

حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ کو کتب بینی سے اتنا شغف تھا کہ بیماری کی حالت میں بھی سرہانے کتابیں رکھی رہتیں اور فرماتے: میری بیماری کا علاج ہی کتب بینی ہے، اپنے اس شغف کا اظہار بھی عربی اشعار میں فرمایا نفحۃ العرب ادب میں ان کی کتاب ہے اس میں باب النظم میں وہ اشعار موجود ہیں۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کو مطالعہ کا بہت شوق تھا، بعض خدام سے سنا کہ کتاب دیکھتے دیکھتے سو جاتے، جب بیدار ہوتے تو پھر مطالعہ شروع کر دیتے، مطالعہ سرسری نہ کرتے بڑے امعان کے ساتھ کرتے، طالب علمی میں اکثر کتابیں زبانی یاد تھیں۔

حضرت استاذی علامہ صدیق احمد صاحب کشمیری رحمہ اللہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں صرف روٹی لیتے تھے سالن نہ لیتے تھے، روٹی جیب میں رکھ لیتے تھے جب موقع ہوتا

کھالیتے، فرماتے: روٹی سالن کے ساتھ کھانے میں مطالعہ کا نقصان ہوتا ہے۔

مولانا منہاج بڑے پایہ کے عالم تھے، حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ بھی ان کے وعظ میں بیٹھتے تھے، یہ لاہور سے دہلی علم حاصل کرنے کے لئے آئے اور بڑی بڑی سختیاں جھیل کر علم کی دولت حاصل کی، ان کے واقعات میں ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں تھوڑا سا آٹا اور گھی دکانوں سے مانگ لیا کرتے تھے، آٹے کا چراغ بنا کر اس میں گھی ڈالتے اور اس کی روشنی میں رات بھر مطالعہ میں مشغول رہتے، دن میں اس کی ٹکیاں بنا کر پکا کر کھالیتے، اور اسی پر قناعت کرتے، بعد میں سلطان بہلول لودی کے عہد حکومت میں دہلی کے مفتی مقرر ہوئے۔

حضرت مولانا نعمانی دامت برکاتہم ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب میں مئو ضلع اعظم گڑھ میں پڑھتا تھا تو وہاں کچھ ساتھی ایسے مل گئے تھے جن کو مطالعہ کا ذوق تھا، اکثر ایسا ہوتا کہ ہم لوگ رات کو دو تین بجے تک مطالعہ اور مذاکرہ میں مشغول رہتے، دن بھی اسی انہماک میں گذرتا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ امتحان کے زمانہ میں تمام کتابیں زبانی یاد رہتی تھیں، اسی محنت کا نتیجہ تھا کہ دورۂ حدیث کے امتحان میں کئی کتابوں کے سوالات کے جواب میں مستقل رسالے تحریر کئے تھے، فرمایا کہ مہتمم صاحب سے میں نے اجازت لے لی تھی کہ جواب کے لیے جو وقت مدرسہ نے مقرر کیا ہے وہ کافی نہیں، مجھ کو زائد وقت دیا جائے، چناں چہ مہتمم صاحب نے ایک نگراں مقرر کردیا تھا اور وقت میں اضافہ کردیا تھا۔

حضرت مولانا عبدالوحید صاحب مدظلہ العالی نے ایک مرتبہ فرمایا کہ طالب علمی کے زمانہ میں بسا اوقات ایسا ہوتا کہ پوری رات مطالعہ میں گذر جاتی، مولانا کی ذہانت اور استعداد ہمارے اطراف میں مشہور ہے، اسی محنت کا اثر تھا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے ڈابھیل میں حدیث شریف پڑھانے کے لیے اصرار کیا، مگر خدمت والدین کی وجہ سے نہ جاسکے اور تقریباً تیس سال سے صدر مدرسی کے فرائض مدرسہ اسلامیہ فتح

پھر میں انجام ہوے رہے ہیں۔

حضرت استاذی مولائی محب نور صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اکثر ایسا ہوتا کہ میں عشاء کے بعد مطالعہ شروع کرتا اور فجر تک اس میں مشغول رہتا، اس محنت کا نتیجہ تھا کہ تمام کتابیں پڑھاتے تھے، شاید ہی کسی جگہ کتاب دیکھنے کی ضرورت پیش آتی۔

حضرت سیدی و مولائی حضرت اقدس مولانا الشاہ اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم کی ایک نظم مطالعہ کے بارے میں ملی جو درج کی جارہی ہے:

ہے چشم دل کے واسطے کاجل مطالعہ	انسان کو بناتا ہے اکمل مطالعہ
کرتا ہے آدمی کو مکمل مطالعہ	دنیا کے ہر ہنر سے ہے افضل مطالعہ
تعلیم کے بڑھاتا ہے کس بل مطالعہ	کرتا ہے دور جہل کو دلدل مطالعہ
جو دیکھتے ہیں غور سے اول مطالعہ	یہ تجربہ ہے خوب سمجھتے ہیں وہ سبق
کرتے نہیں ہیں احمق واجہل مطالعہ	ہم کیوں مطالعہ نہ کریں ذوق و شوق سے
ہوتا نہیں ہے جن کا مکمل مطالعہ	ناقص تمام عمر وہ رہتے ہیں علم سے
جو دیکھتے ہیں دل سے مسلسل مطالعہ	کھلتے ہیں راز علم کے ان کے قلوب پر
اسرار و عقل و نقل باول مطالعہ	ہے تشنگان رشد و ہدایت کے واسطے
ہے علم و فضل کے لئے مشعل مطالعہ	اسعد مطالعہ میں گذاروں تمام عمر

(۲) سبق کی پابندی

طالب علم کو چاہیے کہ سبق کا کبھی ناغہ نہ کرے، اس سے بے برکتی ہوتی ہے، بسا اوقات اس ناقدری کا نتیجہ علم سے محرومی کا سبب ہو جاتا ہے۔

امام ابو یوسف کے حالات میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک مدت تک رہے، مگر اس طویل مدت میں ایک دن بھی ایسا نہیں گذرا کہ وہ فجر کی نماز میں امام صاحب کے ساتھ نہ شریک رہے ہوں، امام صاحب فجر کے بعد ہی درس شروع فرمادیتے تھے۔ ایک جگہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں برسوں امام صاحب کے ساتھ رہا،

بجز بیماری کے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن بھی ان سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ حالاں کہ ان دنوں میں ہر شخص اپنے گھر میں اعزا و اقارب کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن انھوں نے مجلس علم کی شرکت اور اپنے استاذ کی معیت اور رفاقت کو سب پر ترجیح دی۔

مناقب موفق میں امام ابو یوسف کا بیان نقل کیا ہے: مات ابن لی فلم احضر جنازته ولا دفنه وترکته علی جیرانی واقربائی مخافة ان یفوتنی من ابی حنیفة شیئ ولا تذھب حسرته عنی۔

(میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا، لیکن میں نہ جا سکا اور نہ اس کے جنازہ میں شریک ہو سکا اور تجہیز و تکفین کا کام اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے سپرد کر دیا، اس اندیشہ سے کہ امام صاحب کے درس کا کوئی حصہ نہ چھوٹ جائے، جس کی حسرت کبھی نہ ختم ہو)

حضرت قاری عبد الرحمٰن صاحب محدث پانی پتی رحمہ اللہ کے حالات میں ہے کہ دہلی میں حضرت شاہ عبد العزیز محدثؒ سے پڑھا کرتے تھے، شاہ صاحب کے انتقال کے بعد ہر وقت غمزدہ رہتے تھے ایک رات خواب میں دیکھا حضرت شاہ صاحب فرما رہے ہیں کہ تم رنجیدہ نہ ہو اور شاہ محمد اسحاق صاحب کے بارے میں فرمایا کہ ان سے جا کر علم حاصل کر لو، علمی انہماک اور درس کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ کی تعطیل کے علاوہ کبھی گھر نہ جاتے تھے اور نہ خطوط پڑھتے اور نہ جواب دیتے، پانی پت دہلی سے دور نہیں، اکثر لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی اگر ملاقاتی یا رشتہ دار مل گیا تو سلام اور اس کے جواب کے علاوہ کوئی بات نہ کرتے تھے اور فرماتے: یہاں تو مجھے فرصت نہیں، جب پانی پت آنا ہوگا تو وہاں بات کریں گے، قیام گاہ مدرسہ سے دور تھی، ایک مرتبہ سخت بارش ہو رہی تھی، قریب کے طلبہ مدرسہ پہنچ گئے، قاری صاحب کے انتظار میں حضرت شاہ صاحب بیٹھے ہوئے تھے طلبہ نے کہا: آج بارش بہت ہے، قاری صاحب نہ آسکیں گے، حضرت شاہ صاحب خاموش رہے، اتنے میں قاری صاحب گھڑے کے اندر کتاب لئے بھیگتے ہوئے پہنچ گئے، سردی کی وجہ سے کانپ رہے تھے، حضرت شاہ

صاحب مسرور ہوئے، طلبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں سمجھ رہا تھا کہ قاری صاحب سبق کا ناغہ نہ کریں گے اس کے بعد فرمایا کہ تم قاری صاحب کو نہیں سمجھتے! الفاظ حدیث کے میں ان کو پڑھاتا ہوں اور حدیث کی روح خود ان سے حاصل کرتا ہوں۔

آج کل کے طلبہ کو عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ ایسی تنگی کے باوجود کہ چھتری تک کا انتظام نہیں کر سکے اور اتنی دور رہنے کے باوجود سبق کا ناغہ نہ کیا۔ آج معمولی سی بارش میں مدرسہ کی چہار دیواری کے اندر رہنے والے طلبہ کمرے سے درسگاہ تک جانا پسند نہیں کرتے اور مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ پورے مدرسہ کی تعطیل کردی جائے، اگر کسی طالب علم کا ذہن ادھر نہیں گیا تو اساتذہ طلبہ سے درخواست دلاتے ہیں، سچ ہے نہ پہلے جیسے طلباء ہیں نہ اساتذہ، پھر مدارس میں خیر و برکت کہاں سے آئے۔

علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ میں سبق میں پہنچنے کے لیے اس قدر جلدی کرتا تھا کہ دوڑنے کی وجہ سے میری سانس پھولنے لگتی تھی۔

امام ثعلبؒ فرماتے ہیں کہ پچاس برس سے برابر میں ابراہیم حربی کو اپنی مجلس میں حاضر پاتا ہوں، کبھی انھوں نے ناغہ نہیں کیا۔

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے حالات میں صاحب دعوت و عزیمت تحریر فرماتے ہیں کہ اپنے وطن سے سفر کر کے پڑھنے کے لیے گئے تو زمانہ طالب علمی میں جو خطوط پہنچتے تھے ان کو آپ کسی خریطہ میں ڈالتے جاتے تھے اور اس خیال سے نہ پڑھتے تھے کہ طبیعت میں انتشار اور تشویش پیدا ہوگی اور حصول مقصد میں خلل واقع ہوگا۔

آج کل کے طلبہ نے تعلقات اتنے بڑھا رکھے ہیں کہ ان کو ڈاک لکھنے اور دیکھنے سے ہی فرصت نہیں ملتی، آج ایک دوست کو خط لکھا جا رہا ہے تو کل دوسرے کو، حتی کہ اس محبوب مشغلہ میں اسباق تک کو قربان کر دیا جاتا ہے اگر کوئی دوست آ گیا تو اس کے ساتھ تفریح میں چلے گئے، ہفتوں کتاب کو ہاتھ نہیں لگاتے، ایسی ناقدری اور بے توجہی کے ساتھ مطالعہ کا ذوق اور کتاب سے مناسبت کس طرح پیدا ہو سکتی ہے، یہی وجہ ہے

کہ طالب علمی کا زمانہ جلد سے جلد ختم کر کے دوسرے مشاغل اور کاروبار میں اپنے کو لگا دیتے ہیں۔

حضرت یحییٰ ناقل مؤطا مدینہ منورہ میں امام مالک رحمہ اللہ سے پڑھا کرتے تھے اور ایک روز شور ہوا کہ ہاتھی آیا، عرب میں ہاتھی عجوبہ چیز ہے اس آواز کو سنتے ہی طلبہ درس چھوڑ کر بھاگ گئے، مگر یحییٰ اسی طرح اطمینان سے بیٹھے رہے، امام مالک نے فرمایا: تمہارے یہاں تو ہاتھی نہیں ہوتا تم کیوں نہیں گئے، یحییٰ نے جواب دیا: حضرت اندلس سے میں آپ کو دیکھنے اور علم سیکھنے آیا ہوں ہاتھی دیکھنے کے واسطے وطن نہیں چھوڑا ہے۔ حضرت امام مالکؒ یہ جواب سن کر خوش ہوئے اور ان کو عاقل اہل اندلس کا لقب دیا۔

بہ نسبت دیدۂ مجنوں زخویش و بیگانہ ❁ چہ آشنا بجے بود چشم لیلےٰ را

آج بندر اور ریچھ دیکھنے کے لئے مدرسہ خالی ہو جاتا ہے، سینما، تھیٹر، ناٹک، کے عاشق ہفتوں کتاب کی صورت نہیں دیکھتے۔

استاذ القراء حضرت استاذی مولانا قاری فتح محمد صاحب اعمیٰ پانی پتی باوجودیکہ درسیات سے فارغ ہو چکے تھے اور ایک مدرسہ کے مہتمم تھے، طلبہ کو درسیات اور قراءت پڑھایا کرتے تھے لیکن بعد نماز ظہر تقریباً ایک میل مسافت طے کر کے حضرت استاذی مولانا عبدالحلیم صاحب پانی پتی کے پاس آتے اور ان سے تعلیم حاصل کرتے۔

حضرت قاری صاحب مادر زاد نابینا ہیں، فن قراءت کی تکمیل شیخ القراء حضرت قاری محی الاسلام پانی پتی سے کی، اکثر درسیات اور دورۂ حدیث حضرت مولانا الشاہ عبد الرحیم سے پڑھا، ہر فن میں مہارت ہے، لیکن قراءت میں عرب وعجم میں ان کا کوئی نظیر نہیں، اس فن کی مشہور کتاب شاطبی کی اردو اور فارسی میں بے مثل شرح لکھی ہے۔

اردو کی شرح چھپ گئی ہے، حضرت کا قیام کراچی میں ہے، ان کے حالات اور کمالات میں ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے افسوس صد افسوس! کہ حالات نے اس

طرح مجبور کر رکھا ہے کہ ہم اپنے ماں باپ اور شفیق استاذ کی زیارت کو ترستے ہیں، اللہ پاک حشر اور جنت میں ان کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین

(۳) تکرار اور مذاکرہ

طالب علم کو چاہیے کہ سبق میں غور سے سنے اور اس کے بعد اس کا تکرار کرے، اس کے بغیر استعداد پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ علم ہی باقی رہ سکتا ہے۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذاکرہ نہ کرنے سے نسیان ہو جاتا ہے اور علم ضائع ہو جاتا ہے کہ حضرت علقمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مذاکرہ کرو کیوں کہ علم مذاکرہ سے جوش مارتا ہے۔

اسماعیل رجاء کا دستور تھا کہ کتب کے لڑکے ان کے پاس آکر حدیثیں سنایا کرتے تھے تاکہ بھول نہ جائیں، سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباسؓ مجھے حدیثیں سنایا کرتے تھے۔

عون بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ ایک دن ہم ام الدرداءؓ کی خدمت میں پہنچے اور دیر تک علمی باتیں دریافت کرتے رہے، پھر ہم نے عرض کیا شاید آپ اکتا گئی ہوں، فرمانے لگیں کیا کہتے ہو؟ ہر کام میں میری نیت عبادت کی ہوتی ہے مگر علمی مذاکرہ سے زیادہ مجھے کسی کام میں لذت نہیں ملتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم سے گفتگو کرتے رہا کرو تاکہ تمہارے رتبے ظاہر ہوں (جامع البیان)

تعلیم المتعلم میں ہے کہ طالب علم کے لیے یہ بات بھی ضروری ہے کہ جب تک گذشتہ سبق کا تکرار نہ کرلے اور اچھی طرح یاد نہ کرلے ہرگز دوسرا سبق نہ پڑھے، اسباق کا تکرار طالب علم کے لیے بہت ضروری ہے اور یہ علم طلبہ کے لیے حد سے زیادہ نافع ہے، ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ گذشتہ اسباق کا تکرار بار بار کرتا رہے اور اس عمل کو جاری رکھے، ایک جگہ اس کا طریقہ تحریر فرمایا ہے کہ گذشتہ سبق کا تکرار پانچ مرتبہ، اس سے

پہلے کا چار بار اور اس سے پہلے کا تین بار اور اس سے پہلے کا دو بار اور چھٹے روز کا ایک مرتبہ روزانہ کا معمول ہونا چاہیے، یہ علوم محفوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

تکرار میں کوئی حجاب اور عار نہ ہونا چاہیے، جو طالب علم ایسا کرتا ہے وہ محروم رہتا ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ کئی کئی دن کا فاقہ ہوتا تھا مگر سبق کا تکرار نہ چھوڑتے تھے اور محنت میں ذرا بھی فرق نہ آتا تھا، کچھ دور چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے استاذ برہان الدین فرماتے ہیں کہ میں اپنے تمام ساتھیوں میں اس وجہ سے فوقیت لے گیا کہ تکرار و مذاکرہ کبھی نہیں چھوڑتا تھا (تعلیم المتعلم)

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اپنے تلامذہ کو مذاکرہ کی بہت تاکید کرتے تھے (تدریب ۱۸)

عطا خراسانی کے حال میں لکھا ہے کہ اذا لم یجد احدا اتی المساکین فحدثھم (جب کوئی نہ ملتا تو مساکین و غرباء کے پاس جا کر ان کو دین کی باتیں سناتے)

اصمعیؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ علوم کس طرح محفوظ رکھے، حالاں کہ آپ کے ساتھی بھول گئے؟ فرمایا: میرے ساتھیوں نے حاصل کرنے کے بعد چھوڑ دیا اور میں برابر اس کا مذاکرہ کرتا رہا۔

میر سید شریف جرجانی کا مشہور قصہ ہے کہ علامہ قطب الدین رازی کے پاس پڑھنے کے لیے اس وقت پہنچے جب وہ پیر فرتوت ہو چکے تھے، علامہ نے بڑھاپے کا عذر کیا اور اپنے ایک شاگرد مبارک شاہ کے پاس بھیج دیا، یہ مبارک شاہ علامہ قطب الدین کے غلام تھے، بچپن سے انھوں نے مبارک شاہ کو پالا پوسا اور پڑھایا، یہاں تک کہ وہ مدرس ہو گئے اور ہر علم و فن میں فاضل و ماہر تھے۔

عام طور پر لوگ ان کو مبارک شاہ منطقی کے نام سے موسوم کرتے تھے، خدا جانے کیا صورت پیش آئی کہ مبارک شاہ نے میر صاحب کو اپنے حلقۂ درس میں صرف بیٹھنے اور سننے کی اجازت دی، پوچھنے اور قراءت کرنے کی اجازت نہ دی، ایک دن شاہ صاحب

رات کو یاد کرنے کے لیے گئے۔ طلبہ کیا کرتے ہیں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ پیر صاحب جس حجرہ میں رہتے تھے وہاں سے آواز آئی کہ کتاب کے مصنف نے تو یہ مسئلہ اس طرح لکھا ہے اور استاذ نے یوں بیان کیا ہے اور میں اس مسئلہ کی تقریر یوں کرتا ہوں۔ مبارک شاہ خاموش ہو گئے اور کان لگا کر سننے لگے۔ پیر صاحب کی تقریر کا انداز اتنا دلچسپ تھا کہ مبارک شاہ کو وجد آ گیا (مقالات ج ۲ ص ۳۴۷)

اس سے قبل کے دور میں اساتذہ اپنے شاگردوں کے تکرار پر بہت زور دیتے تھے، اس کا نتیجہ تھا کہ طلبہ کو پڑھنے ہی کے زمانہ میں اتنی مہارت ہو جاتی تھی کہ بڑی بڑی کتابوں کے اسباق اساتذہ ان سے پڑھواتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب اپنی خودنوشت سوانح حیات میں تحریر فرماتے ہیں:

وکلما فرغت من تحصیل کتاب شرعت فی تدریسہ (جس کتاب کے پڑھنے سے فارغ ہوتا اس کو پڑھانا شروع کر دیتا)

آگے چل کر فرماتے ہیں

فحصل لی الاستعداد فی جمیع العلوم بعون اللہ الحی القیوم ولم یبق تعسر فی ای کتاب کان من ای فن کان حتی انی درست مالم اقرءہ علی حضرۃ الاستاذ کشرح الاشارات للطوسی والافق المبین وقانون الطب ورسائل العروض

(تمام علوم میں میری لیاقت پیدا ہو گئی اللہ حی وقیوم کی اعانت سے مجھے کسی کتاب کے سمجھانے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی تھی، خواہ کوئی سی بھی کتاب ہو اور کسی فن کی ہو، حتی کہ اس مشق کی بنیاد پر ایسی کتابیں بھی میں نے پڑھا دیں جنھیں استاذ سے نہیں پڑھا تھا، مثلاً طوسی کی شرح اشارات، الافق المبین، طب میں قانون شیخ اور عروض کے رسالے)

ظاہر ہے کہ یہ معمولی استعداد کا نتیجہ نہیں ہو سکتا، پھر اس زمانے کے طلبہ کو پڑھانا جس

زمانہ میں بحیثیت مباحثہ اور ردوقدح کے کوئی طالب علم سبق نہ پڑھتا تھا، ایسے دور میں ان سب کو مطمئن کر دینا کوئی آسان بات نہ تھی۔

آگے تحریر فرماتے ہیں وصیت مدرسی طلبۃ العلوم (یعنی جس طریقہ سے میں طلبہ کو پڑھایا کرتا تھا اسی طرز سے طلبہ کو اپنے دل سے خوش رکھتا تھا)

مولانا محمد حسین صاحبؒ الہ آبادی حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ سے پڑھتے تھے سوا آخری کتابوں کے باقی سب کتابیں اپنے شاگردوں سے پڑھواتے تھے۔

حضرت استاذی مفتی سعید احمد صاحب محدث لکھنوی نے احقر سے اپنا خود حال بتایا کہ سبق کے بعد جب کوئی طالب علم مجھے تکرار کے لیے نہ ملتا تو میں دیوار کے سامنے بیٹھ جاتا اور دیوار کو مخاطب بنا کر سبق کا تکرار کرتا اور یہ فرض کر لیتا کہ میرے مخاطب نے ابھی بات نہیں سمجھی اس لیے پھر اسی کو کہتا، اسی طرح کئی کئی بار کہتا، یہاں تک کہ مجھے ازبر ہو جاتا۔

ادب ہشتم

علم کی حرص اور اس کے لیے سفر کرنا

طالب علم کو علم کا حریص ہونا چاہیے، اگر وطن میں رہ کر تحصیل علم کے مواقع نہ ہوں تو اس کے لیے سفر کرے، پہلے زمانہ میں ایک ایک حدیث اور دین کے ایک مسئلہ کے لیے مہینوں کا سفر لوگ کرتے تھے اور بڑی بڑی مشقت اٹھاتے تھے، ایک مسئلہ کے معلوم ہو جانے پر ان کو ایسی خوشی ہوتی تھی جیسا کہ دنیادار کو سلطنت ملنے پر ہوتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علم سے مومن کو کبھی سیری نہیں ہوتی یہاں تک کہ جنت میں پہنچ جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: دو حریص ایسے ہیں جن کی حرص ختم نہیں ہوتی، علم کا حریص اور دنیا کا حریص۔

عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا: علم کب تک حاصل کرنا چاہیے؟ فرمایا: جب تک زندگی ہے۔

جمل بن قیس سے مروی ہے کہ ایک شخص مدینہ سے چل کر حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دمشق آیا اور ایک حدیث کے بارے میں سوال کیا، حضرت ابو الدرداءؓ نے فرمایا: تم کسی اور مطلب سے نہیں آئے، نہ تجارت وغیرہ پیش نظر ہے۔ صرف حدیث ہی کی جستجو سے نکلے ہو، اس نے عرض کیا: جی ہاں! یہی مقصد ہے، اس پر ابو الدرداءؓ نے فرمایا: اگر یہی بات ہے تو خوش ہو جاؤ کیوں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص علم کی تلاش میں نکلتا ہے فرشتے اس کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں، جنت کا راستہ اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے، عالم کے لیے آسمان اور زمین کی تمام مخلوق حتیٰ کہ سمندر

کی مچھلیاں بھی مغفرت کی دعاء کرتی ہیں، عالم کو عابد پر وہی فضیلت حاصل ہے جو بدر منیر کو تمام ستاروں پر، علماء، انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء علیہم السلام درہم اور دینار نہیں چھوڑتے، علم چھوڑ جاتے ہیں، جس نے علم حاصل کیا اس نے بڑی دولت حاصل کی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے ایک حدیث کے بارے میں پتہ چلا کہ فلاں صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، اسی وقت میں نے اونٹ خریدا اور اس پر سوار ہو کر صحابی کی تلاش میں چل پڑا، ایک مہینہ کی مسافت کے بعد ملک شام عبداللہ بن انیس کے پاس پہنچا، جنھوں نے یہ حدیث سنی تھی، ان کے دروازے پر اونٹ بٹھا دیا، گھر میں خبر پہنچی کہ جابر آپ کی چوکھٹ پر کھڑا ہے، خادم نے لوٹ کر کہا کہ میرے آقا دریافت فرماتے ہیں کہ آپ جابر بن عبداللہ ہیں، میں نے کہا ہاں! یہ سنتے ہی عبداللہ بن انیس باہر آئے اور مجھ سے معانقہ کیا، میں نے کہا: سنا ہے کہ آپ کے پاس مظالم کے بارے میں ایک ایسی حدیث ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنی، انھوں نے جواب دیا: بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اور شام کی طرف دست مبارک سے اشارہ کیا) اس حال میں جمع کرے گا کہ ننگے بدن، ننگے پاؤں ہوں گے، پھر انہیں ایسی آواز سے پکارے گا کہ دور نزدیک سب جگہ سنی جائے گی، فرمائے گا: میں ہوں منصف شہنشاہ کوئی جنتی جنت میں نہیں جا سکتا جب تک ایک دوزخی بھی اس پر کسی ظلم کا حق کہ طمانچے تک کا دعویدار ہے، اسی طرح دوزخی کے بارے میں فرمایا: میں نے عرض کیا: وہاں بدلہ کیسے دیا جائے گا، جب کہ خدا کے حضور ننگے بدن، ننگے پاؤں ہوں گے، جواب میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: نیکیوں اور بدیوں سے یعنی پہلے نیکیاں حق دار کو دی جائیں گی، اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو جن کا حق ہے ان کی بدیاں اس پر لاد دی جائیں گی۔

ابوسعید اعمی سے روایت ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے مدینہ سے مصر کا سفر محض اس لیے کیا کہ حضرت عقبیٰ بن عامرؓ سے ایک حدیث جا کر سنیں، چناں چہ وہاں

پہنچے، حضرت عقبیٰ نے ان کا استقبال کیا، حضرت ابوایوبؓ نے کہا: میں ایک حدیث کے لیے آیا ہوں، جس کے سننے والوں میں سے اب آپ کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔

حضرت عقبیٰ نے حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کسی مومن نے ایک برائی چھپائی، قیامت کے دن خدا اس کی پردہ پوشی فرمائے گا، حضرت ابوایوب یہ حدیث سنتے ہی اپنے اونٹ کی طرف بڑھے اور اس پر سوار ہو کر بغیر ایک لمحہ ٹھہرے ہوئے واپس مدینہ چلے گئے۔

سعید بن مسیب کہتے ہیں: میں ایک حدیث کے لیے کئی دن کئی رات سفر کیا کرتا تھا۔

شعبی کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص ملک شام کے آخر سے چل کر یمن کے آخر تک محض اس لیے سفر کرے کہ علم کی ایک بات سن لے تو میرے نزدیک اس کا سفر ضائع نہیں ہوا۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو کوئی طلب علم کے لیے سفر کو جہاد نہیں سمجھتا اس کی عقل میں نقص ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جاہل مرجانے کے خوف سے جو بندہ طلب علم میں نکلتا ہے یا سنت مٹ جانے کے ڈر سے اس کے احیاء کے لیے چلتا ہے تو اس کی مثال غازی کی ہے جو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلتا ہے، اور جسے عمل نے پیچھے کر دیا نسب اس کو آگے نہیں کرے گا (جامع بیان العلم)

عبداللہ بن مبارک سے پوچھا گیا: آپ کب تک علم حاصل کریں گے؟ جواب دیا موت تک۔

ابن ابی غسان کا مقولہ ہے: آدمی اس وقت تک عالم ہے جب تک طالب علم ہے اور اس وقت سے جاہل ہے جب طالب علمی کو خیرباد کر دے۔

ابن شبیب کا قول ہے: طبیعت تربیت سے بنتی ہے اور علم تلاش سے ملتا ہے۔

امام ابویوسف کے اساتذہ کی تعداد سو سے متجاوز ہے، جن سے مختلف مقامات میں جا جا کر استفادہ کیا۔

امام ابوحنیفہؒ کے انتقال کے بعد امام محمد نے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، واسط، شام، خراسان، یمامہ وغیرہ میں جاکر سیکڑوں اساتذہ سے استفادہ کیا۔

اسحاق بن راہویہ کے حالات میں ہے کہ اس وقت مدارس اسلامیہ میں دینی علوم کے جتنے مراکز تھے وہ سب ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور ہونے کے باوجود انھوں نے ان تمام مقامات کا سفر کیا اور علماء ومحدثین سے استفادہ کیا۔

سفیان بن عیینہ نے اسّی سے زائد علماء سے کسب فیض کیا اور اس کے لیے مختلف مقامات کا سفر کیا۔

عبداللہ بن مبارک کے بارے میں ابواسامہ فرماتے ہیں: مارایت رجلاً اطلب العلم فی الافاق من ابن المبارک: (میں نے عبداللہ بن مبارک سے زیادہ کسی کو ملک در ملک گھوم کر طلب علم کرنے والا نہیں دیکھا)

امام شعبہؒ نے تقریباً چار سو تابعین سے سماع حدیث کیا اور اس کے لیے دور دراز کا سفر کیا، بسا اوقات ایک ایک حدیث کے لیے ہزاروں میل کا سفر کرنا پڑا۔

علی بن مدینی نے طلب علم کے شوق میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بغداد، کوفہ، یمن وغیرہ کی خاک چھانی (تہذیب التہذیب)

ابوحاتم رازی جو علل کے امام ہیں ان کے بارے میں تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے: نو عمری ہی میں طلب علم کے لیے وطن سے نکل پڑے، برسوں سفر میں رہتے، وطن واپس ہوتے اور جلد ہی پھر روانہ ہوجاتے۔

امام ذہبیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ پہلی مرتبہ جب طلب علم کے لیے نکلے تو سات سال تک سفر ہی میں رہے، بحرین سے مصر کا سفر پیدل کیا، پھر رملہ سے طرطوس کا سفر بھی پیدل ہی کیا، اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی (تذکرہ ج ۲)

امام بخاری رحمہ اللہ نے علم کی طلب میں تمام اسلامی شہروں کا سفر کیا۔

امام لیثؒ بن سعد نے مختلف ممالک اسلامیہ کا سفر کیا اور وہاں کے علماء سے

مستفیض ہوئے ان کے اساتذہ میں پچاس سے زیادہ کبار تابعی ہیں۔
امام مالک رحمہ اللہ نے سعید بن مسیب تابعی سے روایت کی ہے کہ میں ایک حدیث کی خاطر کئی کئی رات دن پیدل چلا ہوں۔
ابن المقری بیان فرماتے ہیں کہ میں نے صرف ایک نسخہ کی خاطر ستر منزل کا سفر کیا۔
راقم الحروف کے والد کے استاذ مولانا لطف اللہ صاحب نے جو یہاں سے قریب بستی چمن ہرولال پور کے رہنے والے تھے، طلب علم کے لیے پانی پت، دہلی وغیرہ کا سفر کیا اور بارہ برس کے بعد تکمیل کر کے جب لوٹے تو کتابوں کے کئی بکس ساتھ تھے ان کے عجیب وغریب واقعات ہیں۔
حضرت مولانا الشاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نے علم کے شوق میں پانی پت، دہلی، سہارن پور، رام پور، بریلی وغیرہ مقامات کا سفر کیا اور ہر طرح کی پریشانیاں ان کو اٹھانی پڑیں۔ تفصیلی حالات سوانح عمری میں ملاحظہ کیجئے۔
ایک طالب علم محمد حنیف نامی پرتاب گڑھ کے رہنے والے تھے، بڑی عمر میں علم کا شوق ہوا، مختلف مقامات کا سفر کرتے ہوئے پانی پت پہنچے، وہاں بہت دن تک پڑھتے رہے، جس سال احقر پانی پت سے سہارن پور گیا اسی سال وہ بھی تین دن بعد پہنچ گئے تھے، اپنے سفر کا حال بیان کیا کہ جس وقت پانی پت سے چلا ہوں میرے پاس تھوڑے سے پیسے تھے، پیدل سفر تھا، کتابیں زیادہ تھیں، اس لیے آدھا سامان کچھ دور رکھ آتا پھر دوسرے سامان کو لے جاتا، جہاں رات ہو جاتی ٹھہر جاتا تھا، جب تک پیسے رہے چنے وغیرہ لے کر کھا لیتا تھا اس طرح سے کئی ہفتہ بعد سہارن پور پہنچے، جس وقت احقر سے ملاقات ہوئی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہا کئی دن کا بھوکا ہوں، کھانا کھلاؤ، بہت متقی پرہیزگار تھے، کسی سے سوال نہ کرتے تھے، تکبیر اولیٰ اور صف اول کا بہت اہتمام تھا، تکمیل کے بعد وطن چند دن کے لیے گئے تھے اس کے بعد کچھ دن فرخ آباد میں قیام کیا۔
ایک مرتبہ لکھا کہ یہ آخری خط تم کو لکھ رہا ہوں، اب زندگی ایسی جگہ گذاروں کا جہاں

کوئی مجھے نہ جانتا ہو، اس کے بعد سے ان کا کچھ پتہ نہیں چلا کہ کہاں ہیں؟

حافظ الحدیث ابو العباس رازی مادر زاد نابینا تھے، اس کے باوجود حدیث پاک حاصل کرنے کے لیے بلخ، بخارا، نیشاپور وغیرہ کا سفر کیا۔

حافظ بن طاہر مقدسی طلب حدیث کے لیے پیدل سفر کرتے، کتابوں کی گٹھری پشت پر ہوتی تھی، مشقت کی وجہ سے پیشاب میں خون تک آ جاتا تھا۔

علامہ سلف کے مصنف نے لکھا ہے کہ اس جفاکشی سے جو سیاحت حافظ ممدوح نے کی اس میں حسب ذیل مقامات من جملہ اور مقاموں کے تھے: بغداد، جزیرہ تنیس (واقع بحیرۂ روم) دمشق، حلب، جزیرۂ اصفہان، نیشاپور، ہرات، قانون، مدینہ طیبہ، نہاوند، ہمدان، واسط، سادہ، استر آباد، انبار، اسفرائن، آمل، اہواز، بسطام، خسرو جرد، جرجان، آمد، بوشنج، بصرہ، دینوری، رامہرمز، شیراز، قزوین، کوفہ۔

حافظ ابو عبداللہ اصفہانی نے ایک مرتبہ اپنے مقامات سفر کی تفصیل بیان کی، ایک سو بیس مقامات بیان کئے جہاں انھوں نے علم کے لیے سفر کیا تھا۔

امام عزالدین مقدسی چودہ برس کی عمر میں بغداد علم کے واسطے پہنچے۔

حافظ ابوالخطاب اندلسی نے تحصیل علم کی غرض سے اولاً تمام ملک اسپین میں سفر کیا، وہاں سے فارغ ہو کر مراکش اور دیگر ممالک کی سیاحت کے بعد مصر پہنچے اور مصر کے بعد شام، عراق، عرب اور خراسان کا سفر کیا۔

ابو حاتم رازی فرماتے ہیں کہ سفر میں ایک مرتبہ میں جہاز سے اترا تو خرچ بالکل پاس نہ تھا، دو میرے رفیق اور تھے ان کا بھی یہی حال تھا، ہم تینوں تین دن فاقہ سے رہے، اور پیدل سفر کیا، موجودہ حالات دیکھ کر مشکل سے یہ یقین آئے گا کہ کبھی ہم میں ایسے لوگ تھے کہ علم کی دھن میں صدہا میل پیادہ پا جانا ان کے لیے آسان بات تھی، ان بزرگوں کے دل میں شوق علم کی ایک بیتابی تھی جو ان کو کسی شہر یا ملک میں قرار نہیں لینے دیتی تھی، ایک سمندر سے دوسرے سمندر اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم کے لیے

ہوتا تو علمی انحطاط نہ پیدا ہوتا۔ علم میں کمال بغیر دربدری کی خاک چھانے ہوئے اور اہل کمال کی مجلس میں شرکت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، ایک شاعر نے کہا ہے:

تابہ کارن خانہ در گردی ❁ ہرگز اے خام آدمی نہ شوی

بستان المحدثین میں ابوبکر اسماعیل کا حال لکھا ہے کہ ان کے رشتہ دار علم دین کے لیے کہیں سفر نہیں کرنے دیتے تھے، جب بھی سفر کرنے کا ارادہ کرتے تو اس میں طرح طرح کی رکاوٹ ڈالتے، اس اثناء میں محمد بن ایوب رازی کا انتقال ہو گیا جو اپنے وقت کے بڑے عالم اور محدث تھے، ان کے انتقال کی خبر جب اسماعیل نے سنی تو ان کو انتہائی صدمہ ہوا اور کیفیت یہ ہوئی کہ تمام کپڑے بدن کے پھاڑ ڈالے، یہ حالت دیکھ کر تمام رشتہ دار جمع ہوئے اور اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ دیکھو کیسے زبردست عالم کا انتقال ہو گیا اور تم لوگوں نے مجھے ان کے پاس نہ جانے دیا، مجھ کو اس کا بہت صدمہ ہے، رشتہ داروں نے تسلی دی کہ اگر ان کا انتقال ہو گیا تو اب بھی بہت علماء زندہ ہیں، جن کے پاس تمہارا دل چاہے جاؤ اور ان سے فیض حاصل کرو، چناں چہ انھوں نے اپنے وطن سے سفر کیا اور مختلف شہروں اور ممالک کا سفر کر کے کبار علماء اور محدثین سے استفادہ کر کے حدیث وفقہ کے جامع اور دین ودنیا کی ریاست کے مالک ہوئے۔

خطیب طبریزی شارح حماسہ کو ایک لغت کی کتاب ابو المنصور کی تصنیف ملی جو کئی چھوٹی چھوٹی جلدوں میں تھی اس کے مطالب کو حل کرنے کے لیے وہ اپنے شہر کے ایک عالم کے پاس گئے، انھوں نے مشورہ دیا کہ ابو العلاء معری کے پاس چلے جاؤ، خطیب ان اجزاء کو ایک تھیلے میں ڈال کر پشت پر لاد کر پیادہ پا طبریز سے معرہ (واقع ملک شام) چل کھڑے ہوئے، راستہ میں کتاب کی جلدیں پسینہ سے ایسی تر ہو گئی تھیں کہ بغداد میں لوگوں نے ان کو دیکھا تو گمان کیا کہ پانی میں بھیگ گئی ہیں۔ غرض اس حال میں خطیب معرہ پہنچے اور ابو العلاء کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے مشکلات کو حل کیا۔

ادبِ نہم

طلب علم میں ثبات قدمی
اور ہر قسم کی تکالیف کا برداشت کرنا

طالب علم کو چاہیے کہ علم جیسی بے بہا نعمت حاصل کرنے میں جو دشواریاں پیش آئیں ان کو برداشت کرے اور اپنے اکابر کی زندگی کو سامنے رکھے کہ انھوں نے علم دین کی خاطر کیسے کیسے مصائب برداشت کئے، ہر طرح کی تنگی کے باوجود اس میں لگے رہے، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو آج ہم تک دین کس طرح پہنچتا، جن سے کچھ فیض پہنچا ہے وہ تقریباً سبھی ایسے تھے جنھوں نے طالب علمی کی حالت میں بڑی بڑی مشکلات جھیلی ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: احیاء اسلام کے لیے علم حاصل کرتے ہوئے جو مر جاتا ہے وہ انبیاء علیہم السلام سے ایک درجہ کم ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ طالب علم اگر تحصیل علم کی حالت میں مرتا ہے تو وہ شہید مرتا ہے۔

اصحاب صفہ کا حال یہ تھا کہ کئی کئی دن کا ان پر فاقہ ہوتا تھا، کہیں کچھ مل گیا تو کھا لیا، حضور ﷺ کو کسی نے کچھ دیا تو آپ نے ان پر تقسیم کر دیا، اس حالت میں انھوں نے حضور ﷺ سے علم حاصل کیا اور تمام عالم کو اس سے سیراب کیا۔

امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ علم حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اس کی راہ میں فقر وفاقہ کی لذت چکھی نہ جائے، اپنے استاذ ربیعہ کی غربت اور مصیبت بیان کی، فرمایا: امام ربیعہ اس قدر نادار ہو گئے تھے کہ ان کو گھر کی چھت تک فروخت کرنی پڑی، ان کی غذا یہ تھی کہ مدینہ منورہ کے کوڑے پر سے سڑی ہوئی کشمس چن چن کر ان کو صاف کر کے کھالیا کرتے تھے (جامع العلم)

امام طبرانی رحمہ اللہ نے علم حدیث کی طلب میں بڑی محنت ومشقت اٹھائی، تیس برس تک ان کے پاس بستر نہیں رہا، چٹائی پر سوتے رہے۔

ہشیم بن جمیل کے تذکرہ میں خطیب نے لکھا ہے کہ علم حدیث کی طلب میں دو دفعہ افلاس اور بینوائی کا شکار ہوئے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ جس وقت وہ مکہ مکرمہ میں سفیان بن عیینہ کے پاس پڑھتے تھے، ان کے رفقاء کا بیان ہے کہ ایک دن خلاف معمول وہ درس میں نہ آئے، سب کو تعجب ہوا، کیوں کہ وہ ناغہ نہ کرتے تھے، حال دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کپڑے چوری ہو گئے، کوئی کپڑا نہیں ہے اور نہ پیسہ ہے کہ انتظام کر سکیں، علی بن جہم جو اس قصہ کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ میں نے امام کی خدمت میں اشرفی پیش کی اور کہا کہ چاہے ہدیہ قبول کر لیجیے یا بطور قرض لے لیجیے، لیکن انھوں نے اس سے انکار کیا، تب میں نے کہا میرے لیے کچھ کتابت کر دیجیے اور اس کے معاوضہ میں اس کو لے لیجیے تب اس پر راضی ہوئے، علی بن جہم نے بطور تبرک امام کے دست مبارک کے اس مخطوطہ کو رکھ چھوڑا تھا اور لوگوں کو دکھاتے اور اس کے لکھنے کی وجہ بھی اس کے ساتھ بیان کرتے (ابن عساکر)

امام احمد ہی کے ایک اور ساتھی اسحاق بن راہویہ بیان کرتے ہیں کہ امام احمد ازار بند بن بن کر اپنی ضروریات طالب علمی کے زمانہ میں پوری کیا کرتے تھے، دوسروں نے کچھ دینا بھی چاہا تو انکار کر دیتے تھے، جب یمن سے چلنے لگے تو نانبائی کے کچھ روپے

امام پر رہ گئے تھے، ان کے پاس روپے نہ تھے تو پہننے کے جوتے اس کے حوالے کر دیئے اور ننگے پاؤں روانہ ہوئے، اونٹوں پر بوجھ لادنے اور اتارنے والے مزدوروں میں شریک ہو گئے جو مزدوری ملتی تھی وہ زادِ راہ کا کام دیتی تھی (تاریخ دمشق)

امام ابو یوسف کہا کرتے تھے کہ ہم نے اور ہمارے ساتھ بے شمار آدمیوں نے طالب علمی کی مگر فائدہ انہیں کو پہنچا جن کے دل دہی سے پک گئے تھے، اس کے بعد واقعہ بیان کرتے تھے کہ ہمارے گھر میں بہت سویرے روٹی تیار کر دی جاتی تھی اور دہی لگا دیا جاتا تھا، اسی کو کھا کر درس میں چلے جاتے اور وہاں سے واپس آ کر اسی کو کھا لیتے اور کھانے کے شوقین اچھے اچھے کھانے کے انتظام میں رہتے تھے اور علم کے بہت سے حصے سے محروم رہ جاتے تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی طالب علمی کا حال اس طرح بیان کیا ہے کہ میں یتیم ہو گیا تھا ماں نے مکتب بھیجا مگر گھر میں اتنا بھی نہ تھا کہ استاذ کی کچھ خدمت کی جاتی، خوش قسمتی سے استاذ اسی پر راضی ہو گئے کہ وہ باہر جایا کریں تو میں لڑکوں کی نگرانی کیا کروں اس طرح جب میرا قرآن پاک ختم ہو گیا تو مسجد میں علماء کرام کے حلقوں میں حاضری دینے لگا، جو بھی حدیث یا مسئلہ سنتا فوراً یاد ہو جاتا، میری ماں اس قدر غریب تھیں کہ کاغذ کے لیے پیسے بھی نہیں دے سکتی تھیں، مجبوراً چکنی ہڈیاں ڈھونڈتا پھرتا کوئی مل جاتی تو اٹھا لیتا اور اس پر لکھنا شروع کر دیتا، تحریر سے بھر جاتی تو اس کو گھر کے ایک پرانے گھڑے میں احتیاط سے رکھ دیتا۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی طالب علمی کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ صبح اور شام اس طرح گذرتی تھی کہ کھانے کا کوئی انتظام نہ ہوتا تھا، مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مخلوق کی احسان مندی سے بچا لیا۔

حضرت نظام الدینؒ پانچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے جو اپنے وقت کی ایک بہت بڑی صالحہ اور باخدا خاتون تھیں ان کی تعلیم کا انتظام کیا،

انکو گھر میں فاقہ رہتا تھا جس روز گھر میں کھانے کو نہ ہوتا تو والدہ فرماتیں کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں، خود فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات سن کر بڑی مسرت ہوتی، ایک دن خدا کا ولی بندہ ایک تھیلا گھر میں دے گیا چند دن متواتر اس سے روٹی ملتی رہی، میں تنگ آ گیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحبہ سب یہ فرمائیں کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں، آخر وہ غلہ ختم ہوا اور والدہ نے فرمایا کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں، سن کر مجھے ایسا سرور ہوا کہ بیان میں نہیں آ سکتا (سیر الاولیاء)

خواجہ کی زندگی فقر و فاقہ کی اخیر تک رہی، ایک جگہ مولانا سید ابوالحسن علی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ خواجہ صاحب نے دہلی کو جب قیام گاہ بنایا تو باوجودیکہ سارے ہندوستان کی دولت اور زر و جواہر دہلی امنڈ کر آ رہے تھے اور ارزانی کا یہ عالم تھا کہ ایک جیتل (۱) میں دو سیر میدہ کی پکی ہوئی روٹیاں مل جاتی تھیں اور دو جیتل میں ایک من خربوزہ آ جاتا تھا، لیکن خواجہ صاحب کے فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک دانگ (۲) بھی نہ ہوتا تھا کہ اس سے روٹیاں خرید کر کھاؤں اور والدہ ہمشیرہ اور گھر کے ان لوگوں کو کھلاؤں جو میری کفالت میں تھے خربوزہ کی اس ارزانی اور فراوانی کے باوجود پوری پوری فصل گذر جاتی اور خربوزہ چکھنا نصیب نہ ہوتا، لیکن اپنے اس حال میں خوش رہتا اور آرزو کرتا کہ جتنی فصل باقی ہے وہ بھی گذر جائے اور میں اسی حال میں رہوں (تاریخ دعوت و عزیمت)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نے بڑی تنگی کے ساتھ پوری طالب علمی کا زمانہ گذارا، مولی کے پتے کھا کھا کر علم حاصل کیا، ایک مرتبہ رام پور کے زمانہ قیام میں کسی نے گھر خط لکھ دیا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے، مولانا کو جب یہ معلوم ہوا تو والدہ کو خط لکھا کہ میں زندہ ہوں۔ لیکن والدہ کا اصرار رہا اور والد صاحب کو وطن سے

(۱) مغل دور حکومت کا ایک چاندی کا سکہ۔ (۲) مغل دور حکومت کے سکے۔
(۳) مغل دور حکومت کے سکے۔

رام پور بھیجا تا کہ میں دیکھ لوں اس لئے کہ مولانا نے جب سے گھر چھوڑا تھا وطن تشریف نہ لے گئے تھے اور طے یہ کیا تھا کہ تکمیل کے بعد مکان جاؤں گا، والد صاحب رام پور تشریف لائے ان سے بھی اپنے ارادہ کا اظہار کیا والد صاحب خوش ہوئے اور فرمایا: میری بھی یہی رائے ہے، مولانا کے پاس بستر نہ تھا، والد صاحب کے لیے کہیں سے بستر لا کر لگا دیا اور خود مطالعہ کے لیے بازار کی لالٹین جہاں جلتی تھی تشریف لے گئے، مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد آئے اور مسجد میں بیٹھ گئے، سردی نے جب بہت ستایا تو چٹائیوں میں لپٹ گئے اور اس طرح رات گزاری۔

آپ بیتی میں حضرت شیخ الحدیث صاحب نے حضرت رائے پوری کا بیان فرمودہ قصہ تحریر فرمایا ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں سردی کا ایک سال ایسا گزرا کہ سردی کے بچاؤ کا کوئی کپڑا، لحاف، بچھونا، کمبل، رضائی وغیرہ کچھ نہ تھا، کسی سے اظہار کی غیرت نے اجازت نہ دی، مغرب کے بعد کتاب لے کر جس مسجد کے اندر قیام تھا اس کے حمام کے سامنے بیٹھ جاتا، عشاء پڑھ کر بھی وہیں بیٹھ جاتا لوگ سمجھتے کہ بعض آدمیوں کو آگ سے سینکنے کا مرض ہوتا ہے اس کو بھی اس کا شوق ہے، جب سب نمازی چلے جاتے تو مسجد کا کواڑ لگا کر مسجد کے کونے میں صف پر لیٹ کر اور صف کو ہاتھ سے پکڑ کر کروٹیں لیتا ہوا دوسرے کونہ پر چلا جاتا وہ سب ساری مجھ پر لپٹ جاتی وہی اوڑھنا بچھونا تھا، سر اور پاؤں کی طرف سے رات بھر خوب ہوا آتی، جب اخیر شب ہوتی تو اسی صف سے کروٹ بدلتے بدلتے دوسری طرف آ جاتا صف ساری بچھ جاتی۔

شیخ الکل حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے زمانہ طالب علمی میں جوتے ٹوٹ گئے چھ ماہ تک یوں ہی گذری۔

مظاہر علوم کے موجودہ ناظم مولانا الحاج الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب دامت برکاتہم جب تھانہ بھون میں پڑھتے تھے تو وہاں کا قانون تھا کہ سردی کے زمانہ میں گرم پانی سے وضو کرنے والے کو ہفتہ میں دو پیسے داخل کرنے پڑتے تھے، حضرت مولانا نے فرمایا کہ

میرے پاس اتنا بھی نہ ہوتا تھا، اس لیے ٹھنڈے پانی سے وضو کرتا تھا، کھانے پینے وغیرہ کا اہتمام بھی نہیں کیا جو کچھ مل گیا کھالیا اور نہ ملا تو اس پر شکر ادا کیا، جب طالب علمی میں اس طرح کی تنگی برداشت کی جاتی ہے اس وقت اللہ خانقاہوں اور مدارس کی خدمت کے لیے چنتا ہے، کون سمجھتا تھا کہ کس مپرسی کی زندگی گذارنے والے یہ طالب علم آئندہ چل کر طریقت کے شیخ کامل اور علوم نبوی کے بڑے عالم ہوں گے اور رائے پور اور سہارن پور سے دنیا کو جو فیض پہنچ رہا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں، جس کا جی چاہے وہ آج بھی دیکھ لے، آج کل کے طلباء اگر چاہتے ہیں کہ اللہ پاک ان سے دین کا کام لے تو اپنے کو بنانے کی فکر میں رہیں، اور اکابر کا نمونہ بنیں، تب دین کی خدمت کی اہلیت پیدا ہوگی، آج تو دیکھا جاتا ہے کہ طلباء ہمیشہ اپنی راحت و آرام ہی کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں، اسی پر اسٹرائک کرتے ہیں، تعلیم کا مقاطعہ اساتذہ کی بے حرمتی صرف اس لیے کی جاتی ہے کہ مدرسہ میں وہ جس طرح کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں اس میں کیوں رکاوٹ پیدا کی جاتی ہے، ان کی بے راہ روی پر کیوں گرفت ہوتی ہے، کھانے میں کچھ دیر ہوگئی یا شوربا پتلا ہوگیا تو اس پر قیامت برپا کردی جاتی ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ اس قسم کے مطالبات میں ایسے طلباء زیادہ پیش پیش رہتے ہیں جو مدرسہ سے امداد کے بھی مستحق نہیں ہوتے، خود صاحب نصاب ہوتے ہیں، ان کا سامان ضرورت سے اتنا زیادہ ہو جاتا ہے جو نصاب کی مقدار کو پہنچ جاتا ہے، لیکن حالات کو پوشیدہ رکھ کر اپنے کو مستحق ثابت کر کے مدرسہ سے وظائف لیتے ہیں پھر معمولی معمولی باتوں پر ہنگامہ مچاتے ہیں۔

راقم الحروف جب مراد آباد میں معقولات کی کتابیں حضرت مولانا عجب نور صاحبؒ سے پڑھتا تھا اس زمانہ میں ایک طالب علم نے احقر سے شافیہ پڑھنے پر اصرار کیا، احقر کی کتابیں زیادہ تھیں مطالعہ تکرار سے فرصت نہ ملتی تھی، مگر ان کے اصرار پر شروع کرادیا، اس طالب علم کا حال یہ تھا کہ مدرسہ کی تعطیل کے زمانہ میں وہ مزدوری کر لیتا تھا جب تک پیسے رہتے تھے ان سے کھانے وغیرہ کا انتظام کرتا تھا جب ختم

ہو جاتے تو کسی سے سوال نہیں کرتا، جب بہت بھوک لگتی تو سبزی منڈی میں شام کے وقت جا کر وہاں جو پتے پڑے ہوتے ان کو لاتا اور ابال کر نمک ڈال کر کھالیتا، احقر نے بہت چاہا کہ ساتھ ہی کھانا کھالیا کرے مگر اس کو منظور نہ کیا، کبھی کبھی شریک ہو جاتا۔

حافظ الحدیث حجاج بغدادی شبابہ کے یہاں تحصیل علم کو جانے لگے تو ان کی والدہ نے سو روٹیاں پکادی تھیں، جن کو وہ ایک گھڑے میں بھر کر ساتھ لے گئے تھے، حجاج روزانہ ایک روٹی پانی میں بھگو کر کھالیتے اور تعلیم حاصل کرتے، جس روز وہ روٹیاں ختم ہو گئیں ان کے استاذ کا فیض بخش دروازہ چھوڑنا پڑا۔

شیخ الاسلام بقی بن مخلد اس سے زیادہ مؤثر حکایت بیان کرتے ہیں کہ میں ایک ایسے طالب علم کو جانتا ہوں جس پر ایام طالب علمی میں اتنا سخت زمانہ گذرتا تھا کہ چقندر کے پتے کھا کر بسر کرتا، اس افلاس اور تنگی کے باوجود اس نے ہمت نہ ہاری اور برابر علم حاصل کرتا رہا، امام بخاری رحمہ اللہ کو ایام طالب علمی میں ایک سفر میں تین دن تک کچھ کھانے کو نہ ملا، جنگل کی بوٹیاں اور پتیاں کھا کر رہے تھے۔

ابن المقری، ابو الشیخ طبرانی یہ تینوں ایک زمانہ میں مدینہ طیبہ میں طالب علمی کرتے تھے، ایک بار ان پر ایسا وقت آیا کہ روزہ پر روزہ رکھا، بھوک نے جب بہت مضطرب کیا تو حضور ﷺ کے روضۂ اقدس پر گدایانہ حاضر ہوئے اور صدا دی: یا رسول اللہ الجوع (اے رسول اللہ بھوک نے ستا رکھا ہے) اس کے بعد طبرانی تو وہیں بیٹھ گئے اور کہا: یا تو موت آئے گی یا روزی، ابن المقری اور ابو الشیخ لوٹ کر اپنی قیام گاہ چلے آئے وہ صدا خالی کب جاتی تھوڑی دیر بعد مکان کے دروازے پر کسی نے دستک دی، دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک شخص علوی مع دو غلاموں کے تشریف لائے اور غلاموں کے سروں پر بہت سا سامان ہے، علوی شخص نے کہا: حضور اکرم ﷺ نے خواب میں مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تمہارے پاس کچھ پہنچادوں۔

شیخ الفقہاء امام برقانی جب اسفرائن پڑھنے گئے تو ان کے پاس سے تین اشرفیاں

راہ میں گم ہوگئیں، صرف درہم باقی رہ گیا، اصفرائن پہنچ کر وہ درہم انھوں نے ایک نان بائی کے یہاں جمع کردیا اور ہر روز نان بائی کے یہاں سے دو روٹیاں خرید لیتے اور احمد بن بشیر کے یہاں سے ایک جزء کتاب کالا کر شام تک نقل کرتے اور شام کو نقل شدہ جزء واپس پہنچادیتے، تین جزء نقل ہوئے تھے کہ درہم ختم ہوگیا اور انھوں نے مجبور ہوکر اصفرائن سے سفر اختیار کیا۔

امام ابوعلی بلخی جب عسقلان میں تھے تو خرچ سے اس قدر تنگ ہوگئے کہ کئی کئی فاقوں کی نوبت پہنچی اور ضعف نے لکھنے سے مجبور کردیا۔ جب بھوک سے بہت پریشان ہوئے تو نان بائی کی دکان پر اس غرض سے جابیٹھتے کہ کھانے کی خوشبو سے ہی طبیعت کو کچھ تقویت پہنچے۔

امام ابوحاتم رازی اپنا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ زمانہ طالب علمی میں چودہ برس بصرہ میں رہا، ایک مرتبہ تنگدستی سے یہ نوبت پہنچی کہ بدن کے کپڑے تک بیچنے پڑے، جب کپڑوں کی قیمت بھی خرچ ہوگئی دو دن بھوکا رہا، آخر ایک رفیق سے اظہار حال کرنا پڑا، خوش قسمتی سے اس کے پاس ایک شرفی تھی نصف اس نے مجھ کو دیدی۔

ابوالعلاء ہمدانی کو بغداد میں ایک شخص نے اس حال میں دیکھا کہ مسجد کے چراغ کی روشنی میں جو بلندی پر تھا کھڑے کھڑے لکھ رہے ہیں، ظاہر ہے اگر ان کے پاس تیل کے لیے پیسے ہوتے تو یہ تکلیف کیوں گوارا کرتے۔

ابوالمنصور رفاربی زمانہ طالب علمی میں اتنے تہی دست تھے کہ چراغ کا تیل نہیں خرید سکتے تھے، رات کو پاسبانوں کی قندیلوں کی روشنی میں مطالعہ کرتے، اسی تنگ حالی میں ان حضرات نے وہ علمی ترقی کی جس سے ساری دنیا کو فیض پہنچا، آج ہر طرح کی آسانیوں کے باوجود جو طلبہ کا حال ہے وہ ظاہر ہے، مدارس سے امداد ملتی ہے گھر سے خرچ علاحدہ آتا ہے، اس پر بھی ان کو تنگی کی شکایت رہتی ہے اور اس کو پورا کرنے کے لیے ٹیوشن تلاش کیے جاتے ہیں، ظاہر ہے جب تین وقت کی چائے، ناشتہ، پان، گھڑی،

عینک، شیروانی اور بہترین لباس، بہترین غذا ضروریات زندگی میں داخل ہوں گی تو جتنی بھی رقم مل جائے ضرورت میں کمی رہے گی، حالاں کہ ان کے سامنے حضور اکرم ﷺ کی یہ حدیث بار بار گذری ہوگی، آپ ارشاد فرماتے ہیں: ایاك والتنعم فان عباد الله لیسو بالمتنعمین (ناز ونعمت کی زندگی سے پرہیز کرو، اللہ کے بندے ایسی زندگی پسند نہیں کرتے) اسی زیب وزینت نے مطالعہ اور کتب بینی کے شوق سے دور رکھ کر اس شعر کا مصداق بنادیا ہے:

عمر گراں مایہ دریں صرف شد ❁ تا چہ خورم صیف وچہ پوشم شتا

(عمر عزیز ساری اسی میں گذری کہ گرمی میں یہ فکر لگی ہے کہ کیا کھائیں گے اور سردی کے زمانہ میں اس میں سرگرداں ہیں کہ کیا پہنیں گے)

اور آج تو روٹی اور پیٹ کی گردش میں آدمی دین ومذہب تک سے نہ صرف بیگانہ بلکہ بیزار ہے۔ اللھم احفظنا وجمیع المؤمنین۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

عاقبت سازد ترا از دیں بریں ❁ ایں تن آرائی واں تن پروری

(آخر کار تیری یہ تن پروری اور تن آرائی تجھ کو دین سے علاحدہ کردے گی)

امام طبرانی کی وسعت معلومات کو دیکھ کر ایک شخص نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کو اس قدر معلومات کیسے حاصل ہوئیں؟ تو امام ممدوح نے فرمایا کہ جان عزیز تیس برس میری کرنے چٹائی کے سوا اور کسی بستر کا لطف نہیں اٹھایا۔

امام بغوی مشہور محدث ہیں، بستان المحدثین میں ان کا حال لکھا ہے کہ امام قائم اللیل اور صائم النہار تھے، زہد وقناعت کی زندگی گذارتے تھے، افطار کے وقت خشک روٹی کے ٹکڑے پر اکتفا فرماتے تھے، لوگوں نے اصرار کیا کہ خشک روٹی کھانے سے دماغ پر اثر پڑے گا تو بطور سالن روغن زیتون استعمال کرنے لگے تھے۔

میر مبارک محدث بلگرامی ایک روز بیہوش ہوکر گر پڑے، بہت استفسار کے بعد

فرمایا کہ تین دن سے کوئی غذا میسر نہیں ہوئی، میر طفیل جوان کے شاگرد تھے کھانا تیار کر کے لے گئے تو فرمایا کہ جس وقت تم میرا حال معلوم کر کے گئے تھے تو میرے نفس نے کھانے کی امید قائم کر لی تھی اور یہ اشراف نفس ہوا، اس لیے میں یہ کھانا نہ کھاؤں گا، میر طفیل نے بغیر کسی اصرار اور ردوکد کے کھانا سامنے سے اٹھالیا اور چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد پھر لوٹے اور اب کھانا پیش کر کے استاذ سے دریافت کیا کہ حضرت میں کھانا لے کر چلا گیا تھا اس کے بعد حضرت کو یہ توقع نہ رہی کہ میں پھر لاؤں گا فرمایا نہیں، اس پر عرض کیا: اب اشراف نفس نہ رہا، لہٰذا کھانا تناول فرمالیں، سعید شاگرد کی اس حسن تدبیر سے خوش ہوئے اور فرمایا: تم نے عجب فراست سے کام لیا۔

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی کے حالات میں ہے کہ آپ کو کئی دن کا فاقہ ہوا، دہلی میں پڑھتے تھے، وہاں سے مکان آرہے تھے، اللہ پاک نے مدد فرمائی، ایک جھاڑی سے ایک ہاتھ نظر آیا، جس میں مٹھائی کا دونا تھا، فرماتے ہیں کہ ہم نے اسے لے کر کھالیا۔

مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی کی طالب علمی کا پورا زمانہ ایک تنگ حجرہ میں گذرا (مسلمانوں کا نظام تعلیم)

راقم الحروف کے دادا جس وقت پانی پت میں رئیس المحدثین حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحبؒ سے پڑھتے تھے، ایک روز بھوک سے بیتاب ہوگئے اور چنے لے کر کھارہے تھے کہ حضرت قاری صاحب تشریف لے آئے اور فرمایا کہ کیا کھارہے ہو؟ دادا مرحوم فرماتے تھے کہ مجھے بڑی ندامت آئی کہ حضرت یہ خیال کریں گے کہ اس کو جو کھانا ملتا ہے اس پر قناعت نہیں ہے اس کا اثر یہ ہوا کہ پھر طالب علمی کے زمانہ میں کوئی چیز خرید کر نہیں کھائی، جو قوت لایموت میسر ہو جاتا اسی پر قناعت کرتا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نے طالب علمی کا زمانہ بڑی عسرت کے ساتھ بسر کیا، ایک جوڑا کپڑے کے علاوہ اور کپڑا نہ ہوتا، اس کو دھو کر پہن لیا کرتے،

حضرت کا یہ حال اخیر تک رہا، سادے کپڑے کا کرتا اور لنگی اکثر زیب تن فرماتے، اس سادگی پر اللہ پاک نے وہ رعب عطا فرمایا تھا جو سلاطین کو نصیب نہیں اور ایسی محبوبیت عطا فرمائی تھی کہ لوگ ان کے اشارے پر جان قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے حالات میں ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں اکثر ایک پیسہ نہ رہتا تھا مگر استغنا کا یہ عالم تھا کہ کسی سے سوال نہ کیا، قیام کی جگہ مدرسہ سے دور تھی مطبخ سے خشک روٹی لے لیتے تھے اور گڑ یا نمک سے کھا لیتے۔

کانپور میں احقر جب تعلیم حاصل کر رہا تھا اس وقت احقر کے پھوپھی زاد بھائی مولوی حافظ سید نعمت اللہ بھی ہمراہ تھے اور جامع العلوم میں حفظ کرتے تھے درجہ حفظ کے لڑکوں کا مدرسہ سے وظیفہ نہ تھا، اس زمانہ میں ایک پیسہ کا ایک بڑا بسکٹ آتا تھا، دن بھر ایک بسکٹ پر اور کسی دن ایک پیسے کے چنے پر رہا کرتے تھے، شام کو بھی دو خوراک میں چار طالب علموں کے ساتھ وہ بھی شریک ہو جاتے، اس طرح سے تقریباً ایک سال گزرا، بعد میں ہم دونوں پانی پت چلے گئے تھے۔

حضرت مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ نے قرآن پاک اور اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد شاہ جہانپور کے محلہ خلیل شرقی میں واقع مدرسہ اعزازیہ میں سکندر نامہ اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، عربی کے اولین اساتذہ حافظ بدھن خاں اور مولانا عبد الحق خاں تھے، انھوں نے مرادآباد کے مدرسہ شاہی مسجد میں آگے تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا، اس وقت حضرت مفتی صاحب کی عمر تقریباً پندرہ سال تھی، مولانا عبد الحق خاں نے ایک خط لکھ کر دیا تھا، حاجی محمد اکبر خاں نائب مہتمم نے خط دیکھ کر بڑی نوازش فرمائی، انھوں نے عارضی طور پر ہاتھی خانہ کی مسجد میں مولوی عبد الخالق کے پاس ٹھہرا دیا، پھر مستقل قیام کے لیے حافظ محمد اسماعیل وکیل کا دیوان خانہ تجویز کر دیا تھا، کھانے کا انتظام مدرسہ کی طرف سے تھا، دیگر اخراجات کے لیے مفتی صاحب خود اپنے ہاتھ کی

محنت سے پیدا کرتے تھے، تحصیل علم کے زمانے میں کسی مسجد میں قیام نہیں کیا، اپنی کفالت کا بار کسی پر نہیں ڈالا، مراد آباد اور دیوبند کے قیام کے زمانہ میں تاگے کی ٹوپیاں کروشیا سے بنتے تھے اور فروخت کرتے تھے مدرسہ شاہی مراد آباد میں دو سال تعلیم جاری رہی، پھر سنہ ۱۳۱۲ میں مدرسہ عربی دیوبند (حال دارالعلوم دیوبند) میں داخلہ ہوا، تین سال مدرسہ کے دارالاقامہ میں رہے، چند ساتھیوں کے ساتھ شرکت میں کھانا پکایا جاتا تھا، سالن خود پکا لیتے تھے، روٹی بازار میں ایک بھٹیاری کی دکان سے پکوائی جاتی تھی، آپ نے تقریباً بائیس سال کی عمر میں سنہ ۱۳۱۵ھ میں دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی، اور پھر اللہ نے آپ کو دین و دنیا میں جو مقام عطا فرمایا وہ خوب معلوم ہے"[1]۔

اس قسم کے سیکڑوں واقعات ہیں کہ جن اللہ کے بندوں نے طالب علمی کے زمانے میں صعوبت اور مشقت برداشت کی، اللہ پاک نے انہیں سے خدمت دین اور اصلاح کا کام لیا (مفتی اعظم کی یاد)

(۱) پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں حضرت مفتی صاحب سے متعلق جو قصہ شامل رہا اس ایڈیشن کی تیاری کے موقعہ پر حضرت کے صاحب زادے حفیظ الرحمن صاحب کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انھوں نے سختی سے اس واقعہ کی تردید فرمائی اس لئے اس کی جگہ حضرت مفتی صاحب کے یہ ضروری حالات کتاب میں شامل کر دیئے گئے۔

ادب دہم

شیخ کامل سے اصلاحی تعلق قائم کرنا

طالب علم کو چاہیے کہ زمانہ طالب علمی میں کسی شیخ کامل سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلے اور ہر کام اس سے دریافت کرنے کے بعد کرے، جیسا کہ پہلے بھی ہم نے اس کو تحریر کیا ہے، اور بعد فراغت اس کی خدمت میں رہ کر اپنی ظاہری وباطنی اصلاح بھی اچھی طرح کرلے اس کے بعد کوئی دینی کام شروع کرے، بغیر اصلاح کے اخلاص کا پیدا ہونا مشکل ہے، جب خود ہی نفس کے مکائد اور اس کی دسیسہ کاریوں سے واقف نہ ہوگا تو ہر وقت خطرہ ہے کہ بجائے اصلاح کے فساد رونما ہو۔

عام طور پر اس طبقہ میں جو بگاڑ آیا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے، حضور ﷺ کو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ پس جو علماء ورثۃ الانبیاء ہیں ان کو بھی ذکر فکر خلوت مراقبہ محاسبہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

امام غزالی رحمہ اللہ کو آخر کس چیز نے مجبور کیا تھا کہ درس وتدریس، تصنیف وتالیف جیسے محبوب مشغلے کو اپنانے اور مرجع خلائق ہونے کے باوجود طبیعت میں کیوں بے چینی پیدا ہوئی، اس کو خود امام کی زبانی سنئے فرماتے ہیں کہ میرا سب سے افضل مشغلہ تدریس وتعلیم کا معلوم ہوتا تھا، لیکن ٹٹولنے سے معلوم ہوا کہ میری تمام تر توجہ ان علوم پر ہے جو نہ تو اہم ہیں اور نہ آخرت کے سلسلہ میں کچھ فائدہ پہنچانے والے ہیں، میں نے اپنی تدریس کی نیت کو دیکھا تو وہ بھی خالص لوجہ اللہ نہیں تھی، بلکہ اس کا باعث ومحرک محض طلب جاہ وحصول شہرت تھا، جب مجھے یقین ہوگیا کہ میں ہلاکت کے غار کے کنارے کھڑا ہوا

ہوں، اگر میں نے اصلاح حال کی کوشش نہ کی تو میرے لیے سخت خطرہ ہے۔
(تاریخ دعوت وعزیمت)

تقریباً گیارہ سال نفس کے تزکیہ، اخلاق نفس کی درستگی و تہذیب اور ذکر اللہ کے لیے اپنے قلب کو صیقل کرنے میں مشغول رہے، اس مدت میں جو کچھ حاصل ہوا اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان تنہائیوں میں مجھے جو انکشافات ہوئے اور جو کچھ حاصل ہوا اس کی تفسیر اور اس کا استقصاء تو ممکن نہیں، لیکن ناظرین کے نفع کے لیے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیاء ہی اللہ کے راستے کے سالک ہیں ان کی سیرت بہترین سیرت ہے۔ ان کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں، اگر عقلاء کی عقل علماء کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت و اخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں، ان کے تمام ظاہری و باطنی سکنات و حرکات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نور نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں کہ جس سے روشنی حاصل کی جائے (تاریخ دعوت وعزیمت)

خلوت میں یہ نور حاصل کرنے کے بعد پھر مدرسہ نظامیہ کے مسند درس کو زینت دی اور دوبارہ تدریس اور افادہ کا کام شروع کیا، لیکن پہلی اور دوسری حالت میں جو فرق تھا اس کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ میری اس پہلی اور دوسری حالت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، میں پہلے اس علم کی اشاعت کرتا تھا جو حصول جاہ کا ذریعہ ہے، اور میں اپنے قول و عمل سے اسی کی دعوت دیتا تھا، اور یہی میرا مقصود و نیت تھی لیکن اب میں اس علم کی دعوت دیتا ہوں جس سے جاہ سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، اپنی اور دوسرے کی اصلاح چاہتا ہوں۔

مولانا جلال الدین رومی استاذ دوراں اور خود صاحب سجادہ تھے، علماء کا اور طلبا کا ان کے گرد ہجوم رہتا تھا اور صوفیاء تک ان سے مستفیض ہوتے تھے، آپ کی جب سواری نکلتی تو علماء و طلباء کے ساتھ امراء کا ایک گروہ بھی رکاب میں ہوتا تھا، ان سب کے

باوجود کچھ تو اپنے اندر خلاء محسوس کرتے تھے، جس کی وجہ سے حضرت شمس تبریزی کی غلامی اختیار کی اور ریاضت ومجاہدہ میں عمر کا بڑا حصہ صرف کیا، اس کے بعد اللہ پاک نے ان کو جونئی روح عطا کی جس سے لاکھوں مردہ دل زندہ ہوئے اس کو دنیا جانتی ہے، یہ سب شیخ کامل کی فیض صحبت کا نتیجہ ہے، مولانا نے خود ایک جگہ لکھا ہے:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم ❁ تا غلام شمس تبریزی نہ شد

سچ ہے پہلے آدمی کسی اللہ والے کا غلام بنتا ہے، تب دنیا کا امام بنتا ہے۔

حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبندی، خواجہ شہاب الدین سہروردی، خواجہ بختیار کاکی، حضرت مجدد الف ثانی سرہندی، حضرت صابر کلیری، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہم اللہ وغیرہ کے حالات میں مستقل کتابیں ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے اپنی اصلاح کے لیے کیسے مجاہدات اور ریاضات کیے ہیں، اور عرصۂ دراز تک شیخ کی صحبت میں رہ کر اپنے نفس کو رام کیا ہے، اس کے بعد پھر دنیا میں اللہ پاک نے جو اصلاح کا کام ان حضرات سے لیا وہ دنیا پر روشن ہے۔

حضرت سید شاہ علم اللہ شاہ صاحبؒ نے حضرت سید آدم بنوری کی خدمت میں رہ کر بڑی عسرت اور تنگی کے ساتھ گذر کر کے سلوک کے تمام منازل طے کیے اور اپنے نور باطن سے دنیا کو منور کیا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، حضرت مولانا رشید احمد صاحب، حضرت حکیم الامت رحمہم اللہ نے یگانۂ روزگار ہونے کے باوجود آخر کیا چیز حاصل کرنے کے لیے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی چوکھٹ پر حاضری دی اور مدت تک ان سے تربیت حاصل کرتے رہے، آخر کار مجدد عصر اور امام ربانی ہوئے۔

قطب وقت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے ایک مدت تک امام ربانی کی خدمت میں جا جا کر تربیت حاصل کی۔

دور قریب کے بزرگوں میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے حالات میں ہے کہ برسہا برس اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں رہ کر نفس کی اصلاح کی اور اس زمانہ میں جو مجاہدات کیے یہ انہیں کا حصہ تھا، تفصیلی حالات سوانح میں ملاحظہ کیجیے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے عمر کا کافی حصہ اپنے شیخ کی صحبت میں گذارا اور طرح طرح کے مجاہدے کیے، دیکھنے والے موجود ہیں کہ ان حضرات سے ہزاروں نے فیض حاصل کیا اور آج بھی ان کا سلسلہ فیض جاری ہے۔

موجودہ دور میں بندگانِ خدا جو رشد و ہدایت کا کام کر رہے ہیں انھوں نے اپنے کو بنایا اور سنوارا ہے اس کے بعد اللہ پاک نے یہ خدمت ان کے سپرد کی ہے۔

مجھے اس سلسلہ میں ان تمام اکابر کا استقصاء مقصود نہیں جنھوں نے مجاہدات و ریاضت و صحبت شیخ کے ذریعہ اپنے کو طاہر و مطہر بنایا ہے، چند نمونے ذکر کیے گئے ہیں جن سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کو رذائل سے پاک کر کے محاسن سے آراستہ کرنا چاہتا ہے تو خود کو کسی کامل سے وابستہ کیے بغیر یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، خصوصاً ایسا شخص جس کے اندر دینی خدمت کا جذبہ ہے خواہ مدارس میں رہ کر یا کسی اور طریقہ سے، اس کے لیے نہایت ضروری ہے کہ پہلے اپنے کو آراستہ کر لے بعد میں دوسروں کو سنوارنے کی فکر کرے، ورنہ بہت اندیشہ ہے کہ بجائے اصلاح کے اس سے شر و فتنہ کا ایسا متعدی دروازہ کھلے جس کا بند کرنا مشکل ہو جائے۔

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کانسے اور پیتل کو سونا بنانے والی کیمیا ہر ایک کے پاس نہیں ہوتی اور نہ ہر ایک اس کو جانتا ہے، اس کو حاصل کرنے کے لیے ایک مدت درکار ہے، اور اس کے ماہر کی غلامی شرط اول ہے تو پھر یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ انسان کو حقیقتاً

انسان بنانے والی کیمیا ہر ایک کے پاس ہوگی اور جو چاہے مسند ارشاد پر بیٹھ جائے۔ ع
ایں خیال است ومحال است وجنوں

اس کے لیے بھی کسی اللہ والے کی جوتیاں سیدھی کرنی پڑیں گی اور اس کی ہدایت کے مطابق اپنے کو چلانا پڑے گا تب کہیں جا کر نفس کی قید اور اس کے کید سے چھٹکارا پاکر حقیقت تک رسائی ہوگی۔

اللہ پاک ہر ایک کو اس کی توفیق نصیب فرمائے اور سب کے طفیل میں اس سیہ کار کی بھی اصلاح فرمائے۔

آمین آمین یارب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔
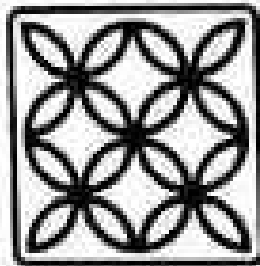
جامع نصیحت

از حکیم الامتؒ

حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ آج کل طلبہ نے خیال کر رکھا ہے کہ درسیات سے فارغ ہو کر پھر عمل کا اہتمام کریں گے یہ بالکل شیطانی وسوسہ ہے، جس کی وجہ سے عمر بھر بھی عمل کی توفیق نہیں ہوتی، یاد رکھو ہر چیز کا پہلی بار جو اثر ہوتا ہے وہ پھر نہیں ہوا کرتا، جب علم حاصل کرنے کے وقت کسی کام کا ثواب یا گناہ معلوم ہوتا ہے اس وقت دل پر ایک خاص اثر ہوتا ہے، اگر اس اثر سے اس وقت کام لیا گیا اور عمل کا اہتمام کر لیا گیا تب تو اثر آئندہ باقی رہتا ہے ورنہ پھر قلب سے زائل ہو جاتا ہے اور دوبارہ آسانی سے پیدا نہیں ہوتا۔ جب پڑھنے کے زمانہ میں تم احادیث وقرآن کی ورق گردانی کرتے چلے گئے اور ترغیب وترہیب کا اس وقت تمہارے دل پر اثر نہ ہوا تو آئندہ کیا امید کی جاسکتی ہے کہ تم اس سے متاثر ہو گے، جب پہلے ہی تم نے یہ خیال کر کے آنکھیں بند کر لیں کہ یہ وقت ان پر عمل کرنے کا نہیں تو عزیز من! یہ امید مت کرنا کہ درس سے فارغ ہو کر پھر اس کا کچھ بھی اثر تمہارے دل پر ہو گا، جب تمہارے نفس نے پہلی ہی بار اسے ٹال دیا پھر کیا اثر قبول کرے گا۔

آج کل طلباء نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ **یجوز لطالب العلم مالا یجوز لغیرہ** کہ طالب علم کو وہ باتیں بھی جائز ہیں جو دوسروں کے لیے ناجائز ہیں، یہ نہ معلوم کونسی آیت یا حدیث ہے یا کسی امام کا فتویٰ ہے، کچھ نہیں صرف نفس کی شیطنت ہے، یہ ہم نے مانا کہ طلبہ کو تحصیل علم کے وقت زیادہ نوافل اور اوراد کا پابند ہونا مناسب معلوم نہیں ہوتا اور یہ

بھی اس کے لیے جس کو مطالعہ کتب وغیرہ سے فرصت نہ ملتی ہو، مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ طالب علم کو حرام وحلال کا خیال نہ کرنا چاہیے اور بے دھڑک جھوٹ، فریب، غیبت، شکایت، تکبر وحسد، عجب وریا وغیرہ کا ارتکاب کر لینا چاہیے اور نماز کا بھی اہتمام نہ کرنا چاہیے، بصورت اور وضع میں بھی شریعت کی پابندی نہ کرنا چاہیے۔

اور غضب یہ کہ اساتذہ ان باتوں کو دیکھتے ہیں اور تنبیہ نہیں کرتے، اگر امتحان میں ناکام ہو جائے تو ہزار سختیاں کرتے ہیں، امتحان میں پاس ہوتا ہے تو پھر اس کے اعمال سے کچھ تعارض نہیں کرتے، بے تکلف اس کو پڑھاتے رہتے ہیں اور سند فراغ سے اسے ممتاز کر دیتے ہیں، حالاں کہ بخدا علم کا اصلی امتحان عمل سے ہے، جو اس میں پورا اترے اس کو کامیاب سمجھنا چاہیے، میری یہ مراد نہیں کہ مطالب ومعانی میں طلبہ کی فہم اور یادداشت کا امتحان نہ لیا جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ علم کا جو اصلی امتحان ہے اسے بھی پس پشت نہ ڈالا جائے، بھلا اس بے عملی کی حالت میں یہ شخص سند لے کر مسند وعظ پر بیٹھ کر لوگوں کو نصیحت کرنے لگا تو سننے والوں پر کیسا برا اثر پڑے گا کہ علماء زبان سے تو بہت کچھ کہتے ہیں مگر خود اپنے ہی عمل سے اپنے اقوال کی تکذیب کرتے ہیں۔

مشکلے دارم زدانشمند مجلس باز پرس ❁ توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتری کنند
واعظاں کیں جلوہ بر محراب ومنبری کنند ❁ چوں بہ خلوت می روند آں کار دیگری کنند

پھر ہدایت کے بجائے ان کو بھی بے عملی میں جرأت بڑھے گی۔

اے محترم اور بزرگ قوم! خدا کے لیے اس حالت کا جلدی تدارک کرو، دیکھو! حضور ﷺ کا ارشاد ہے: کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ: (تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے جس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا)

پس اے حضرات اساتذہ! آپ اپنے متعلقین اور طلبہ کے نگہبان ہیں اور وہ آپ کی رعیت ہیں، پس ان کی عملی حالت سے اگر آپ بے توجہی برتیں گے تو کیا آپ سے مؤاخذہ نہ ہوگا، اس لیے ہمیں طالب علم کی ہر حالت پر نظر رکھنی چاہیے، بہت زیادہ

جاسوسی کی تو ضرورت نہیں مگر اس کی کوئی بات انداز و قرائن یا کسی اور ذریعہ سے معلوم ہو جائے اس پر ضرور تنبیہ کرنی چاہئے، بالخصوص اخلاقی کمزوری کی ضرور اصلاح کرنی چاہیے، اور واجبات و فرائض کے علاوہ سنن و مستحبات کا بھی اس کو پابند بنانا چاہیے، اگر چاشت، اشراق کے وقت وہ کم از کم دو رکعتیں پڑھ لیا کرے اور رات کو اٹھ کر تہجد کی دو رکعتیں پڑھ کر مطالعہ کتب میں مشغول ہو جایا کرے، اور حدیث پڑھنے والے بجائے فضول باتوں کے چلتے پھرتے زبان سے درود شریف پڑھتے رہا کریں تو بتایئے ان کی تعلیم میں کونسا حرج واقع ہوتا ہے، اگر خیال کیا جائے تو ان شاء اللہ ایسی صورتیں خود بخود ذہن میں آنے لگیں گی جن سے طلبہ میں نور عبادت و حلاوت ذکر بھی پیدا ہو جائے اور تعلیم میں بھی کوئی کمی کسی قسم کی نہ آنے پائے۔

سمجھنے کی بات ہے کہ فہم سلیم اور نور ذکاوت عمل اور تقویٰ سے جس قدر پیدا ہوتا ہے اس کے بدون حاصل نہیں ہو سکتا تو اس کا اہتمام تعلیم کے لیے مفید ہوگا یا مضر؟ میں نہیں خیال کر سکتا کہ اس کو مضر کیوں سمجھا جاتا ہے، البتہ باقاعدہ سلوک سے اور صوفیاء کے خاندانی ذکر سے ضرور منع کیا جائے، اس سے حالات و کیفیات کا غلبہ ہونے لگتا ہے تو تعلیم ناقص رہ جاتی ہے مگر جو اذکار احادیث میں وارد ہیں اختصار کے ساتھ ان کی پابندی کرنا اور بلاناغہ تلاوت قرآن کرتے رہنا وغیرہ تو کسی طرح خارج نہیں ہو سکتے، اور یہ تو بہت نازیبا طریقہ ہے کہ ناپسندیدہ اخلاق اور عمل سے بے توجہی کے باوجود طلبہ کو سند دے دی کہ قوم کے پیشوا بن جائیں گے:

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

حالاں کہ حق تعالیٰ جا بجا علمائے یہود کی بابت لو کانوا یعلمون فرماتے ہیں کہ کاش ان کو علم ہوتا، اور ہم خود اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ چوں کہ ان کی حالت ان کے علم کے خلاف تھی اس لیے حق تعالیٰ نے باوجود علم کے ان کو جاہل شمار کیا اور لو کانوا یعلمون فرمایا، پڑھنے والے اس کو مسئلہ بلاغت سمجھ کر بیان کر جاتے ہیں اور یہ

نہیں خیال کرتے کہ اس سے یہ شرعی مسئلہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ جس عالم کی حالت اس کے علم کے مطابق نہ ہو وہ خدا کے نزدیک جاہل ہے، اور اس کی تفصیل احادیث میں دیکھی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جاہل سے بھی بدتر ہے، پس اے قوم! سند دیتے وقت یہ تو دیکھ لیا کرو کہ ہم عالم کو سند دے رہے ہے یا ایسے شخص کو جو شریعت کے نزدیک جاہل ہے، بھلا غور تو کرو یہ کتنی سخت بات ہے کہ خدا کی کتاب ایک شخص کو جاہل بتلاتی ہے اور تم دنیا کے سامنے سند میں لمبے چوڑے تعریفی الفاظ والقاب لکھ کر اس کو عالم فاضل ظاہر کرتے ہو، ان هذا الا اختلاق۔

مگر اس تقریر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عام لوگ علمائے بے عمل کی تحقیر واہانت کیا کریں، نعوذ باللہ ہرگز نہیں، بلکہ ان کو مثل بد پرہیز طبیب کے سمجھیں کہ طبیب اگر پرہیز نہ کرے گا تو اپنے آپ مرے گا مگر مریض کو تو اس کے بتلانے کے موافق ہی عمل کرنا چاہئے، اگر مریض نے اس کی تدبیر کے موافق عمل کر لیا تو اس کو ضرور شفاء ہو جائے گی۔

طبیب ہر حالت میں قابل تعظیم ہی ہے، نیز عالم بے عمل اس وکیل سرکاری کے مانند ہے جو خود قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے، اس خلاف ورزی کا نتیجہ بد خود دیکھے گا مگر چوں کہ وہ قانون سے واقف ہے اس لیے مقدمات میں اس کی رائے لینے سے فائدہ ہی ہوگا، پس عوام کو تو ان سے پوچھ کر ہی عمل کرنا چاہئے۔

البتہ جو عالم غلط مسائل بتاتا ہو اور نفسانی غرض سے جس نے پوچھا اس کے موافق فتوی دیتا ہو تو اس سے پرہیز کرے، وہ خائن طبیب اور جھوٹا وکیل اور پورا رہزن ہے وہ عالم بے عمل اگر صحیح مسائل بتلاتا ہو تو اس کی باتوں کو سن لیا کرے اور اس پر عمل کیا کرے، مگر اس کی صحبت اختیار نہ کرے، صحبت کسی عالم باعمل کامل متبع سنت کی اختیار کرے تاکہ آخرت کی طرف رغبت اور عمل کا شوق پیدا ہو خوب سمجھ لو۔

واللہ یهدی من یشاء الی صراط مستقیم

تمت بالخیر